ہمدردِ نونہال

مئی ۱۹۵۹ء

-/4/-

HAMDARD-E-NAUNEHAL

جلد: ۷ نمبر: ۵

ہمدردِ نونہال کراچی

ایک پرچہ: ۴ر سالانہ: ڈھائی رپے

مدیرۂ اعزازی: سعدیہ ہمدرد ایڈیٹر: مسعود احمد برکاتی

مئی ۱۹۵۹ء

فہرست مضامین

حکیم حافظ محمد یحییٰ پرنٹر، پبلشر نے ہمدرد ٹرسٹ کے لیے مشہور آفسٹ لیتھو پریس میں چھپوا کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد دواخانہ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

بچّوں کا ترانہ!

(قمر ہاشمی)

یہ پاک سر زمین ہے
یہ ترجمانِ دین ہے
یہ کشورِ حسین ہے
نگار ہے، بہار ہے

یہ کیف ہے سرور ہے
سحر کا اس میں نور ہے
حمیّت و غرور ہے
یہ موج آبشار ہے

دلوں میں جو امنگ ہے
اسی کا اس میں رنگ ہے
سُرور ہے یہ چنگ ہے
یہ زیست کا قرار ہے

ہماری جستجو ہے یہ
ہماری آبرو ہے یہ
جہانِ رنگ و بو ہے یہ
یہ پھول ہے شرار ہے

یہ مرکزِ امید ہے
یہ مژدۂ سعید ہے
یگانہ و وحید ہے
بڑا حسیں دیار ہے

-:(پہلا منظر)-

(دہلی کی نئی سڑک کے کنارے ایک فقیر اور اس کا لڑکا دونوں کھڑے ہوئے گا رہے ہیں اور جھانج بجا رہے ہیں ان کے گرد تماشائیوں کا ایک مجمع اکٹھا ہو گیا ہے، اس مجمع میں چند لڑکے بھی ہیں، ان میں سے ایک لڑکے کا نام چھٹن ہے اس کی عمر آٹھ نو برس سے زیادہ نہیں ہے، دبلا پتلا ہے، رنگ سانولا ہے، صرف ایک نیچا سا کرتا پہنے ہے، چھٹن کے ہاتھ میں ایک دیگچی ہے، دودھ خریدنے کے لیے جا رہا تھا، راستے میں فقیروں کا گانا سننے کے لیے ٹھہر گیا ہے، چھٹن کے پاس ہی ایک اور لڑکا کھڑا ہے، یہ چھٹن سے سال دو سال بڑا معلوم ہوتا ہے، اس کا نام چھدّو ہے۔)

چھدّو: چھٹن دیکھ! فقیر کا لڑکا آنکھیں کیسی مٹکا رہا ہے۔

چھٹن: یہ بھی کوئی بات ہے، میں اس سے بھی اچھی طرح آنکھیں مٹکا سکتا ہوں۔

چھدّو: تو جاؤ نا، آنکھیں مٹکا کے بھیک مانگو، اچھا یہ دیگچی اسی لیے لائے ہو بیٹا۔

چھٹن:- ذرا الگ کھڑے رہو، مجھ سے بک بک کی تو ایسی ٹیپ رسید کروں گا کہ یاد کرو گے۔

چھدّو: ارہو! بھئی ذرا ہٹ جانا (دیگچی چھین لیتا ہے)

چھٹن: دیکھو چھدّو دیگچی کا مذاق ٹھیک نہیں ہے (غصّہ سے) لا بھئی دیگچی لا، ہم دودھ لینے جا رہے ہیں۔

چھدّو: ذرا آنکھیں مٹکا کے دکھاؤ تو دیگچی ملے گی۔

چھٹن: دیکھو چھدّو اچھا نہیں ہوگا (دیگچی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے) لا بھئی دیگچی لا، بن ناحق کو ستا رہا ہے۔

چھدّو: (ہنس کر) ذرا آنکھیں مٹکا دو۔

چھٹن: خواہ مخواہ آنکھیں مٹکا دو، تم سے بولتا کون ہے، ہماری دیگچی لاؤ۔

چھدّو: دیکھو بچّہ! اگر تم نے آنکھیں نہ مٹکائیں تو میں یہ دیگچی تمھارے سر پر منڈھ دوں گا، ہاں ذرا آنکھیں مٹکا دو۔

چھٹن: لاؤ ہماری دیگچی لا، ہمیں دیر ہو رہی ہے،

چھدّو: (دیگچی چھٹن کے سر پر منڈھتے ہوئے) لو بچہ، لے یہ لو اپنی دیگچی، اب تم زبان سے دیگچی چاٹتے ہوئے اور چپکے چپکے آنکھیں مٹکاتے ہوئے سیدھے گھر کو ہو لو۔

چھٹن: (دیگچی کے اندر سے) ملنے کا نہیں چھدّو کے بچے دیکھنا آج تیرے بھائی سے کہہ کے تجھے کیسا درست کراتا ہوں۔

دوسرا منظر

(دہلی، چیلوں کا کوچہ، سلیمن کا گھر، دروازے پر ایک پرانا ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس کے نیچے کا حصہ گل کر گر چکا ہے کہیں سے کم کہیں سے زیادہ ایک دالان، ایک کوٹھری، چولھے کی مٹی اکھڑی ہوئی، اِدھر اُدھر دو ایک تانبے کے باقی مٹی کے برتن پڑے ہوئے ہیں، کھیّاں بھنک رہی ہیں، صحن کے بیچ بیچ الگنی پر ایک چھینٹ کا پاجامہ پڑا ہوا ہے، پورب کی طرف والی دیوار کے نیچے ایک اینٹوں کی گھڑونچی ہے جس پر دو گھڑے رکھے ہیں جن کا رنگ میل سے کالا ہو گیا ہے، ایک گھڑے کی جگہ خالی ہے، ایک گھڑے پر تانبے کا کٹورا ڈھکا ہے بے قلعی کا، دالان میں پچھم کی طرف والے در کے پاس ایک جھلنگا پڑا ہوا ہے، اس پر ایک پرانا گدّا جگہ جگہ سے روئی نکلی ہوئی بے ڈھنگے پن سے لپٹا ہوا رکھا ہے، اس کے پاس ہی ایک میلا دوپٹہ ہے، آدھا جھلنگے پر آدھا زمین پر، پلنگ کے بیچ میں مٹی کی رکابی رکھی ہے، کنارا ٹوٹا جس کی دال انگلیوں سے چاٹی گئی تھی، ستون کے پاس طوطے کا پنجرہ رکھا ہوا، خالی، دو تیلیاں ٹوٹی ہوئی، پنجرے کے اوپر آٹھ نو برس کے بچے کا میلا کرتا پڑا ہوا جس کی ایک آستین غائب ہے،

سلیمن بیوہ تھی، اس کا شوہر سادہ کار تھا، اس کو مرے ہوئے چار برس ہو گئے تھے، گوٹا بن کر پیٹ پالتی تھی بوڑھی ماں ساتھ رہتی تھی، آٹھ نو برس کا ایک بچہ ٹما گھر کا چراغ تھا، بڑا بے ڈھنگا اور الھڑ صبح ہوئی بے منھ دھوئے رات کی باسی روٹی کھائی کبھی ننگا کبھی ایک کرتا گلے میں ڈالے باہر چل دیا۔

دن کے دس بجے کا وقت تھا، سلیمن کی ماں کوٹھری میں کپڑے بدل رہی تھی، سلیمن آٹا گوندھنے کے لیے پانی لینے جا رہی تھی، دیکھتی کیا ہے ٹما دروازے سے روتا چلا آ رہا ہے، سر پر دیگچی اوڑھے ہوئے ہے جو گردن تک آ کر پھنس گئی ہے۔)

سلیمن: مردے! منھ جھلسے! آگ لگے تیری صورت کو یہ دیگچی میں سر کیوں ٹھونس رکھا ہے (دیگچی سر سے نکالنے کی کوشش کرتی ہے) اوئی میرے اللہ! کمبختی کے مارے ایسی دیگچی پھنسائی ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتی، ارے تو اپنے نصیبوں کو رو کیوں رہا ہے، ذرا گردن سیدھی رکھ کمبخت، توبہ کسی طرح نہیں نکلتی، اب کیا کروں؟ اری امّاں دیکھ تو سہی ٹما کے بچے نے کیا کر لیا۔

سلیمن کی ماں (کوٹھری میں سے) آگ لگے ٹما کی صورت کو مہینہ بھر میں تو دھوبن کپڑے لائی ہے، بیٹے بیٹھی تو امّاں امّاں کر کے کان پھاڑ ڈالے، منھ کالا کرٹما کا، میں ابھی نہیں آتی، کپڑے بدلنا دوبھر ہو گیا۔

سلیمن: بھاڑ میں جائیں تمھارے کپڑے، ذرا دیکھو تو سہی بچے کے سر میں دیگچی پھنس گئی، کسی طرح نہیں نکلتی

سلیمن کی ماں: دیگچی پھنس گئی تو نکال کیوں نہیں دیتی،
میری جان کو کیوں رو رہی ہے۔
سلیمن: اری اماں کسی طرح نہیں نکلتی، پھنسی تو
اپنی پڑی ہے، ذرا دیکھو تو سہی لونڈا رو رو کر
مرا جا رہا ہے، ہائے میرے اللہ اب کیا ہوگا،
اب میں اپنے ٹما کا منھ کیوں کر دیکھوں گی۔
سلیمن کی ماں: کیوں مری جا رہی ہے، میں ابھی آتی ہوں
دیگچی کیا ہو گئی گلے کی پھانسی ہو گئی، توبہ، مٹ
گئے دو بیٹے کو بھی اسی وقت کیواڑ میں پھنسنا تھا
میرے پلنگ کے پاس لے آ اسے، یہ لونڈا ایسا
بن سرا ہو گیا ہے کہ کچھ کہنے کو نہیں، نوج کسی
کا بچہ ایسا ہو، پھرے ہے خدائی خوار گدھے
سوار، مردے اُدھر کو کہاں چلا، باہر کون تیرا
سگا بیٹھا ہے جو دیگچی نکال دے گا، سلیمن
تو ذرا اس کے کھوے پکڑ لے، اللہ توبہ ایسی دیگچی
پھنسی ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتی،، اری ٹھہر تو
سہی میری انگلی پھنس گئی، اری سلیمن ایک لکڑی تو لا۔
سلیمن: ہاں یہ ٹھیک ہے لکڑی اندر ڈال کر اوپر کو اٹھائی جائے دیگچی نکل آئے گی۔
سلیمن کی ماں: ارے ہٹ الگ، تجھ سے کوئی کام بھی ہوتا ہے۔
سلیمن: اری اماں لکڑی اس کی آنکھ ناک میں کہیں
لگ گئی ہے۔ لکڑی نکال لو، لکڑی سے تو وہ
بالکل ہلتی بھی نہیں، ارے بھیا ذرا صبر تو کر
بار بار اُدھر کو کہاں جانے لگتا ہے، اری اماں
اب میرے ٹما کا بچنا مشکل ہے۔
سلیمن کی ماں: اللہ رحم کرے ہم غریبوں کے حال پر۔

تیسرا منظر

(سلیمن اور اس کی ماں کے رونے کی آواز سن کر
بیس پچیس پڑوسنیں جمع ہو گئیں۔ ہر ایک نے اپنی
اپنی رائے دینی شروع کی۔ گھر طرح طرح کی آوازوں
سے بھر گیا، عبداللہ بساطی کی بیوی، چھٹن، دھنو
گدن، کھڑکی والی بی بی، سلو ماما سب تو سلیمن کے
پاس ہی جا بیٹھیں، باقی الگ کھڑی رہیں۔)
ایک پڑوسن: بچے نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے، مٹ
گیا بھوکا ہوگا۔
دوسری پڑوسن: میرے یہاں کیلے رکھے ہیں، چھنو کے
ابا رات لائے تھے، ان کی عادت ہے رات
دن پھل پھلاری لاتے رہتے ہیں، بہن! مجھے
تو ایسا شوق نہیں، زبان کی چاٹ بری ہوتی
ہے، دال روٹی خدا دیئے جائے تو بہت ہے،
میں تو جانوں دیگچی میں کیلا جا سکتا ہے نرم
سا دیکھ کے لیے آتی ہوں، ایک آدھ کیلے کی
بات ہی کیا ہے، چیز ہو تو کام میں آ ہی جاتی ہے۔
سلیمن: (گھبرائی ہوئی آواز میں) اتنی جگہ نہیں ہے کہ
اس کے منھ تک کیلا پہنچ سکے، ابھی ابھی دیگچی
کے اندر لکڑی ڈالنی چاہی تھی، کچھ نہ ہوا۔
عبداللہ بساطی کی بیوی: اسے ہے بے چارا پیاسا ہوگا،
چیختے چیختے گلا سوکھ گیا ہے
سلیمن کی ماں: میں تو جب ہی سے کہہ رہی ہوں کہ اسے
پیاس بہت لگی ہے، پر میری سنتا کون ہے۔
سلیمن: اپنی ہی کہے جاتی ہیں بھلا الٹی دیگچی میں پانی
کیوں کر ٹھہرے گا
کھڑکی والی بی بی: پانی تو پلانا ہی چاہیے، اسے لٹا کے
پانی ڈالو اور جو یوں بھی کام نہ چلے تو تھوڑی دیر کے
لیے ٹانگیں پکڑ کر الٹا کر دو، تب پانی ڈالو، دو چار

بوند تو حلق میں پہنچے ہی گا۔
سلّو ماما: میں ٹانگیں پکڑ کے اٹھائے لیتی ہوں، آؤ کوئی پانی ڈالو، ابھی آٹھ دن ہوئے میں نے اکیلی نے کوئی لوہار کی لاش کو نہلانے کے لیے تختے پر نہیں لٹایا تھا، خدا میرا جانے وہ ڈیل ڈول تھا کہ دیکھا کرے۔
سلیمن: دور رہو، میرے بچے کو ہاتھ لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا، نوج تو اس کے بدن کو چھوئے میں خود نہ اٹھالوں گی۔
جمّن: کیا کر رہی ہو، کہیں عقل تو نہیں جاتی رہی ہے الٹا کرنے سے بچّے کے دماغ میں خون اتر آئے گا، پھر اس کا بچنا دو بھر ہو جائے گا۔
دھنّوگدّن: آں ں ں . . . ں، بڑی چل کے آئی، سر میں چوٹ آئے گی، ہر کام میں ٹانگ اڑانے کو موجود ہے، بڑی چترا ہے تو نکال دے نا دیگچی، چوٹ آئے تو آئے، جان تو بچ جائے گی۔
سلّو ماما: اے وا، میں تیرے منھ نہیں لگتی ہوں لگائی چترا ہو گی تو تیرے باپ بھیّے۔
دھنّو: اے ذرا مجھ سے نہ رلّانا، میں کسی سے دبنے والی نہیں ہوں، اب زبان چلائی تو منھ جھلس دوں گی، خدا تجھے غارت کرے۔
سلّو ماما: تجھے نہ خدا غارت کرے، دیکھو لو بی بی، میں کچھ بول رہی تھی جو یہ میرے پیچھے پڑ گئی، میں نے تو یہ کہا تھا کہ دیگچی توڑنے سے سر میں چوٹ آئے گی۔
سلیمن کی ماں: دیگچی تڑوا کون رہا ہے جو سر میں چوٹ آئے گی، میری تین روپے کی دیگچی ہے، جسے دیگچی توڑنی ہو اپنے گھر جاکر توڑو۔
عبداللہ لبساطی کی بیوی: اری میں بتاؤں، ذرا سا گھی لے کر اندر سے دیگچی کو چکنا کر دو، پھسل کر نکل آئے گی۔
سلیمن کی ماں: چکنا کیسے کر دیں انگلی تک تو دیگچی میں جاتی نہیں ابھی میں نے انگلی ڈالی تو پھنس گئی بڑی مشکل سے نکلی ہے۔
عبداللہ لبساطی کی بیوی: مجھے گھی دو میری انگلیاں بہت نرم اور پتلی ہیں تمھاری انگلیاں بہت موٹی ہیں۔
سلیمن کی ماں میری انگلیاں موٹی کیوں ہوتیں، بہت نخرے مت دکھاؤ، کچھ ایسی پری نہیں ہو، بہت اپنی انگلیوں پر ناز ہے تو ذرا نکالو نا دیگچی۔
عبداللہ لبساطی کی بیوی: اوئی بی بی، تم تو کاٹنے کو دوڑتی ہو، میں نے تمھارے ہی بچّے کی بھلائی کے لیے کہا تھا۔
سلیمن کی ماں اور سلیمن: (ایک ساتھ) بھلائی کے لیے کہا تھا تو نکال کیوں نہیں دیتیں دیگچی۔
جمّن: اے ذرا دیکھو ڈیوڑھی میں کون آواز دے رہا ہے۔
سلّو ماما: (دروازے میں جاکر واپس آتی ہے) پڑوس والے منشی جی ہیں دیگچی پھنسنے کا حال سن کر آئے ہیں، کہتے ہیں اگر پردے والی بی بیاں ہٹ جائیں تو میں آکر دیگچی نکال دوں۔
سلیمن کی ماں: ہاں ہاں منشی جی کو اندر بلالو، بی جمّن اور گھڑکی والی، ذرا تم دونوں کوٹھڑی میں چلی جاؤ، اے منشی جی، اندر آجاؤ بھیّا!
منشی جی: یہ کیا ہوا، اس کے سر میں دیگچی کیوں کر پھنس گئی؟
سلیمن کی ماں: بھیّا، اللہ ہی ہے جو اب تمّا کی جان بچے، خدا جانے کیوں کر دیگچی میں سر پھنسا لیا مردے نے، صبح سے باہر منھ جھلسنے گیا تھا، آیا

باقی صفحہ ۲۹ پر

(سر رابندر ناتھ ٹیگور کی ایک کہانی "پر بیر پریچے" کا ترجمہ)

شہزادہ بیس برس کا ہوگیا تھا، جگہ جگہ سے اس کی شادی کے پیام آرہے تھے، ایک مشاطہ نے کہا "باہیک کے بادشاہ کی لڑکی بڑی حسین ہے۔ جیسے گلاب کے سفید پھولوں کی بوچھار ہو۔"

شہزادے نے اپنا منہ پھیر لیا اور چپ بیٹھا رہا، دوسری مشاطہ نے کہا "گندھار کے بادشاہ کی بیٹی اتنی خوبرو اور دل کش ہے کہ اس کا جسم اس کے حسن کا بار برداشت نہیں کرسکتا جیسے انگور کی بیل پر انگوروں کا گچھا۔"

شہزادہ شکار کا بہانہ کرکے جنگل کو چلا گیا، دن ہفتوں میں بدل گئے اور وہ واپس نہیں آیا۔

ایک اور مشاطہ آئی اور اس نے کہا "کمبوج کی شہزادی کو میں نے خود دیکھا ہے۔ اس کے ابروؤں کی خمیدگی صبح کے آسمان پر افق کی طرح ہے۔ نازک جیسے اوس میں نہائی ہو۔"

شہزادہ بھارتی ہری کے گیت پڑھنے میں مشغول رہا اور اس نے کتاب سے نظر نہیں ہٹائی۔

بادشاہ نے کہا "یہ کیا بات ہے وزیر کے لڑکے کو بلاؤ۔"

وزیر کا لڑکا حاضر ہوا، بادشاہ نے اس سے کہا "تم شہزادے کے دوست ہو، یہ بتاؤ کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتا۔" وزیر کے لڑکے نے جواب دیا "عالی جاہ! جب سے شہزادے نے پرستان کی داستان سنی ہے وہ پریوں کا رسیا ہوگیا ہے اور وہ کسی پری سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

بادشاہ نے حکم دے دیا کہ پرستان کا پتہ لگایا جائے، بڑے بڑے عالم اور بڑے بڑے پنڈت بلائے گئے۔ انھوں نے بڑی موٹی موٹی کتابیں چھان ماریں مگر پرستان کا کہیں ذکر نہیں ملا، انھوں نے بادشاہ سے کہا "حضور! کسی کتاب میں پرستان کے متعلق ذرا سا اشارہ بھی نہیں ملا۔"

پھر بادشاہ نے تاجروں اور بیوپاریوں کو بلوایا، انھوں نے کہا "ہم سمندروں کے پار گئے، ہم بہت سے جزیروں میں پہنچے مگر کہیں ہمیں پریوں کے دیس کا پتہ نہیں ملا۔"

بادشاہ نے کہا "وزیر کے لڑکے کو بلایا جائے، اسے ضرور معلوم ہوگا کہ پریوں کا دیس کہاں ہے۔"

وزیرزادہ آیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا "شہزادے نے پرستان کا حال کس سے سنا۔"

وزیر کے لڑکے نے جواب دیا" نبین نے جو بڑا سیلانی ہے اور جنگلوں جنگلوں بانسری لیے گھوما کرتا ہے شہزادے کو پرستان کی داستان سنائی تھی، جب شہزادہ شکار کے لیے جنگلوں میں جاتا ہے تو نبین اسے پرستان کی کہانیاں سناتا ہے۔"

بادشاہ نے حکم دیا کہ "نبین کو حاضر کیا جائے۔"

نبین حاضر ہوا، اس نے بتایا عالی جاہ! پریوں کو دیکھ سکتے ہیں، مگر پہچاننا مشکل ہے، وہ بھیس بدل کر نکلتی ہیں، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ غائب ہونے والی ہوتی ہیں تو خود کو ظاہر کر دیتی ہیں مگر اس وقت ان کو روکا نہیں جا سکتا۔"

بادشاہ نے کہا "آخر تم انھیں کیوں کر پہچانتے ہو؟"

سیلانی نبین نے کہا "کبھی کبھی اُن کے گانے کی دُھن سے، اور کبھی کبھی اُن کی چمک دمک سے۔"

بادشاہ جھنجلا گیا اور کہنے لگا" یہ کیا بکواس ہے، یہ سب حماقت کی باتیں ہیں، اسے نکال دو۔"

پھاگن کا مہینہ تھا، سال کے پھول شاخوں پر جھولا جھول رہے تھے، شہزادہ اکیلا گھر سے چل دیا۔ چترا گری میں ایک تالاب تھا جسے لوگ "اداس جوہڑ" کہتے تھے، اس کے پاس ہی ایک ویران اور اجاڑ مندر پڑا ہوا تھا، شہزادہ اسی مندر میں رہنے لگا۔

ایک مہینہ گزر گیا، نئے کلے جو پھوٹے تھے اب پتے بن گئے اور ان کا رنگ گہرا ہو گیا، شہزادے نے بانسری کی آواز سنی، وہ اٹھ کر خود سے یہ کہتا ہوا چلا" آج پری ضرور مل جائے گی۔"

شہزادہ" اداس جوہڑ" کے کنارے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچا ایک لڑکی کنول کے پھولوں کے جھنڈ میں بیٹھی ہوئی تھی، اس کا پانی سے بھرا ہوا گھڑا پاس ہی رکھا تھا، یہ سانولی سلونی لڑکی اپنے سیدھے کان پر ایک سفید پھول لگائے ہوئے تھی جیسے شام کے دھندلکے میں پہلا تارا۔

شہزادے نے گھوڑے سے اتر کر اس سے کہا تم مجھے یہ سفید پھول دے دو،

لڑکی پہاڑوں کی رہنے والی تھی، وہ ڈرنا نہیں جانتی تھی، اس کی کالی کالی آنکھوں پر سایہ سا چھا گیا جیسے نیند میں سپنا آرہا ہو جیسے پہلا بادل افق پر چھا جائے۔

لڑکی نے کان سے پھول نکالا اور یہ کہتے ہوئے شہزادے کو دیا کہ" لیجیے"

"شہزادے نے کہا" سچ سچ بتاؤ، تم پری ہو نا۔"

یہ بات سن کر لڑکی کو بڑا تعجب ہوا اور پھر جیسے ساون کے مہینے میں اک دم بادل سے پانی برسنے لگے وہ قہقہے لگانے لگی،

شہزادے نے سوچا ہو نہ ہو یہ پری ہے، اس کی ہنسی بانسری کے نغموں سے ملتی جلتی ہے۔

شہزادہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لڑکی کو پاس بلا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا۔

" آؤ میرے ساتھ چلو "

لڑکی بغیر کچھ کہے گھوڑے پر سوار ہو گئی اس کا پانی سے بھرا ہوا گھڑا وہیں رکھا رہ گیا، پاس کے درختوں پر سے کوئل کوکی کُو دُو - کُو - دُو -

شہزادے نے لڑکی کے کان میں کہا " تمھارا نام کیا ہے "؟

لڑکی بولی، " میرا نام کجری ہے "۔

دونوں " اداس جوہڑ " کے پاس والے ویران اور اجاڑ مندر میں پہنچے۔

شہزادے نے کہا " تم بھیس بدلے ہوئے کیوں ہو "

لڑکی نے جواب دیا۔ " ہم پہاڑوں اور جنگلوں کی لڑکیاں ہیں، ہم بھیس بدلنا نہیں جانتے "۔

شہزادے نے کہا " تم تو پری ہو، میں تمھیں تمھاری اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں "۔

لڑکی پھر ہنس پڑی اور دیر تک قہقہے لگا کر ہنستی رہی،

شہزادے نے سوچا، یہ ضرور پری ہے، اس کی ہنسی بہار کے نغموں کی طرح ہے۔

بادشاہ تک خبر پہنچی کہ شہزادے نے پری سے شادی کر لی ہے۔

بادشاہ کے محل سے ہاتھی آئے، گھوڑے آئے، پالکی آئی۔

کجری نے کہا " یہ سب کیا ہے "؟

شہزادے نے جواب دیا تمھیں محل میں چلنا ہے "۔

کجری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اُسے جوہڑ کے کنارے رکھا ہوا اپنا گھڑا یاد آیا، اُسے وہ اپنے بیج یاد آئے جو اس نے جھونپڑی کے باہر سوکھنے کے لیے پھیلائے تھے، اُسے یاد آیا کہ اس کا باپ اور اس کا بھائی دونوں شکار کے لیے گئے تھے اور اب ان کے واپس آنے کا وقت ہو گیا ہے، اور اُسے اپنی ماں یاد آئی جو ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی اپنے راچھ سے کپڑا بن رہی ہو گی اور ایک گانا گاتی جاتی ہو گی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کپڑا کجری کے جہیز میں دے گی،

وہ بولی " نہیں میں محل میں نہیں جاؤں گی "۔

مگر ڈھول بج رہے تھے، شہنائی کی تیز آواز کان پھاڑے ڈال رہی تھی، کجری کی بات کسی نے نہ سنی اور وہ پالکی میں بیٹھ گئی،

جب کجری محل میں پہنچی اور پالکی سے اتری تو اُسے دیکھ کر ملکہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا اور کہنے لگی " یہ موئی کیسی پری ہے "

بادشاہ کی لڑکی بولی " اوئی بی بی، میرا بھائی کہاں جا کر پھنس گیا "۔

ملکہ کی ایک خواص کہنے لگی " ذرا کپڑے تو دیکھو، کیا پریاں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔

شہزادہ بولا "چپ رہو، پری ہمارے یہاں بھیس بدل کر آئی ہے۔"

دن گزرتے رہے، چاندنی راتیں آتیں شہزادہ ـــــ سوتے سوتے اٹھ کر دیکھتا کہ پری اپنے اصلی روپ میں آئی یا نہیں، کجری اپنے لمبے لمبے بال کھولتی، اس کا سڈول جسم دمکنے لگتا، شہزادہ خاموش بیٹھا ہوا دیکھتا اور سوچتا اب پری اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوگی جیسے صبح رات کے اندھیرے سے نکلتی ہے۔

شہزادے کے دوست اور رشتہ دار اُسے طعنے دیتے، ایسی ہی ہوتی ہے پری، کون سے پرستان میں پہنچ گئے تھے تم۔

آخر شہزادے نے تنگ آکر ایک دن کجری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا" آج میں کسی طرح نہیں مانوں گا۔ اپنا اصلی روپ اختیار کرنا پڑے گا، آج میں ضرور اپنی پری کو دیکھوں گا۔"

جنگل میں یہ لفظ سن کر اُسے بے تحاشا ہنسی آگئی تھی مگر آج یہ لفظ جب اس کے کانوں میں پڑے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

شہزادے نے کہا۔" کیا تم ہمیشہ مجھے دھوکے میں رکھوگی۔"

کجری نے کہا" نہیں اب میں تمھیں دھوکے میں نہیں رکھوں گی۔"

شہزادے نے کہا" اچھا تو کاتک کے مہینے میں چاند کی چودھویں رات کو محل کے سب لوگ پری کو دیکھ لیں۔"

کاتک کا مہینہ تھا چاند کی چودھویں تاریخ تھی، شہزادہ دولہا بن کر اپنے منہ پر سہرا ڈالے اپنے کمرے میں آیا آج وہ اپنی پری دلہن کو پہلی دفعہ دیکھے گا،

خواب گاہ میں مسہری پر سفید قالین بچھا ہوا تھا سفید پھولوں کے گچھے سرہانے رکھے ہوئے تھے کھڑکیوں کے راستے چاندنی کمرے میں آرہی تھی،

اور کجری؟

کجری کا کہیں پتہ نہ تھا،

رات کا تین چوتھائی حصّہ گزر چکا تھا۔

چاند آسمان کے مغربی حصّے میں آرام کر رہا تھا، ایک ایک کر کے شہزادے کے رشتہ دار آئے سارا کمرہ بھر گیا،

پری کہاں ہے؟

شہزادے نے کہا" پری جب خود کو ظاہر کرتی ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے، پھر اُس کو کوئی نہیں روک سکتا،

گرمی

(عارفہ خاتون)

لو آگیا گرمی کا موسم !
سورج کے بڑھے کتنے دَم خم
رکھ دو یہ لحاف اب دُور کہیں!
اب اس کی ضرورت کوئی نہیں
کمبل سے بھی جی گھبرانے لگا
دیکھے سے پسینہ آنے لگا
اب رکھ دو چھپا کر سُویٹر کو
نظروں سے ہٹاؤ چسٹر کو

سُورج نے جو تیزی دِکھلائی
اک آگ سی گویا برسائی
اب دھوپ سے ہر شے جلنے لگی
اُف پیاس کی شدت بڑھنے لگی
چہروں پہ پسینہ بہنے لگا
گھبرا کے ہر اک یہ کہنے لگا
ایسے میں تو روح افزا لاؤ
جام اس کے مسلسل پلواؤ

جنت کا مزا آجائے ابھی   کافور بنے دل کی گرمی

آج دوسری مرتبہ میں آپ کی میز پر کھانا کھا رہا ہوں اس دن بھی بڑی چکنی چیزیں تھیں اس وقت بھی ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے گھی کی ندی بہ رہی ہو، بھائی میں زیادہ چکنائی کھانا پسند نہیں کرتا۔ یوں تو چکنی چیزوں سے ہمارے بدن کو گرمی (حرارت) اور قوت عمل (انرجی) ملتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خالص گھی سے ہی پیٹ بھر لیا کریں، بدن کو چوبیس گھنٹے میں تین اونس چکنی چیزیں مل جائیں تو بہت ہیں اس سے زیادہ چکنائی کھانا بے کار ہے۔ افوہ — شوربہ میں تو مرچیں ہی مرچیں ہیں، میرا تو سر بھنّا گیا، زیادہ چرپری اور چٹپٹی ترکاریوں کے کھانے میں تو ممکن ہے لطف آجاتا ہو مگر ان کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا، دیکھیے آپ انجنیئر بننے کی تیاری کر رہے ہیں اور میں طِبّ پڑھ رہا ہوں، آپ چونہ اور سمنٹ کی باتیں جانتے ہیں، اور میں کھانے پینے کی چیزوں سے واقف ہوں، جب میں کوئی بنگلہ بنواؤں گا تو آپ سے ضرور مشورہ لوں گا، اس کا نقشہ بھی آپ ہی بنائیں گے اور کھانے کی میز پر آپ کو میری باتیں سننی پڑیں گی — غذا اور تندرستی میں بہت قریب کا تعلق ہے، بدن کی پرورش کھانے پینے ہی پر موقوف ہے جو چیز بدن سے گھٹ جاتی ہے اسے غذا ہی پورا کرتی ہے۔ اور یہ مقصد اس سے اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب غذا کے ذریعہ سے آپ کو وہ سب چیزیں قدرتی وزن سے مل جائیں جو بدن کی مرمت کے لیے ضروری ہیں، اور وہ چیزیں اسی وقت مل سکتی ہیں جب آپ بھرپور اور متوازن غذا کھائیں اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کبھی تندرست نہ رہ سکیں گے، چکنی غذائیں زیادہ کھانے سے کوئی نتیجہ نہیں، زیادہ گھی نقصان تو دے سکتا ہے لیکن مفید نہیں ہو سکتا۔
میں ایک مثال سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، اپنے جسم کو آپ ایک ایسی مشین سمجھ لیں، جس میں بہت سے انجن اور کل پرزے لگے ہوئے ہیں اگر یہ سب ٹھیک حالت میں نہ ہوں تو کام بھی درست طریقہ پر نہ کر سکیں گے، مشین اسی وقت چلتی ہے جب سارے کل پرزے ٹھیک ہوں اور اس کو چلانے والی قوت بھی موجود ہو چاہے وہ بجلی ہو یا بھاپ آپ کے

بدن کو چلانے والی طاقت غذا ہے۔ اسی کو اس مشین کا ایندھن سمجھ لیجیے، اگر آپ متوازن غذا نہیں کھاتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طاقت گھٹا رہے ہیں، اور جسم کی مشین کو چلنے اور کام کرنے سے روک رہے ہیں خراب غذائیں کھانے یا اچھی غذائیں غلط طریقہ پر کھانے سے بدن کی مشین بگڑ جاتی ہے اور قوت عمل (انرجی) دھیرے دھیرے گھٹتی رہتی ہے اور وقت سے پہلے ہی بڑھاپا آجاتا ہے زیادہ چکنائی بدن کے لیے ایسی جیسے مشین کے پُرزوں میں ضرورت سے زیادہ تیل ڈال دیا جائے، ظاہر ہے کہ وہ بے کار ہی جائے گا۔ مشین کے پُرزوں کو تیل کی ضرورت تو ہے مگر بہت زیادہ تیل کی نہیں۔ اس وقت میز پر چکنی چیزیں بھی زیادہ ہیں اور گوشت بھی، گوشت کے متعلق میں آپ کو بتاتا ہوں کہ چاہے وہ کتنا ہی مزیدار ہو، بے معولی چیز، اس میں ۷۵ فیصدی تو پانی ہوتا ہے، باقی ۲۵ فیصدی میں ۱۵ فیصدی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو بدن کے لیے طاقت مہیا کرتی ہیں۔ باقی ۱۰ فیصدی بھی کچھ نہ کچھ کارآمد ہوتی ہیں گوشت میں حیاتین (وٹامنز) اتنے نہیں ہوتے جتنے سبزیوں میں ہوتے ہیں۔ جب ہی تو میں کچا سلاد کھانے کے ساتھ ضرور کھاتا ہوں، آپ کے بدن کو جتنی گرمی (حرارت) کی ضرورت ہے۔ اس کی ⅓ گوشت سے مل جاتی ہے باقی کمی ترکاریوں، تازہ پھلوں، مکھن، پنیر، انڈوں اور خشک میووں سے پوری ہونی چاہیے زیادہ گوشت کھانے سے بدن میں زہر پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جو لوگ دماغی کاموں میں مصروف رہتے ہیں ان کو زیادہ گوشت نقصان دیتا ہے البتہ جسمانی محنت کرنے والوں کو گوشت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، آپ کی غذا میں چاول، گیہوں، انڈا، مکھن، گھی، ترکاریوں، سوکھے پھلوں نیز ترپھلوں کی مقدار گوشت کے وزن سے ⅓ ضرور ہونی چاہیے، اگر گوشت کی مقدار اس سے بڑھ گئی تو مضر ہوگی۔ روٹی آپ کے کھانے کا بہت خاص حصّہ ہے۔ روٹی بے چھنے آٹے کی ہونی چاہیے کیوں کہ اس میں بھوسی بھی شامل ہوتی ہے جس میں نشاستہ ہوتا ہے۔ نشاستہ جَو میں گیہوں سے زیادہ ہوتا ہے اس کے علاوہ چربی اور نمک بھی ہوتا ہے جَو کی روٹی گیہوں سے بہتر ہے۔ جوار، مکئی اور باجرے کی روٹیاں بھی پکائی جاتی ہیں۔ چاولوں میں چربی نہیں ہوتی چاول زیادہ کھانے والوں کو چربی ضرور کھانی چاہیے۔

پردٹیا اپنے وقت میں کافی حسین تصور کی جاتی تھی۔ پردٹیا کے باپ جارج شہر کے گنے چنے رئیسوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی رسائی بادشاہ کے دربار تک تھی ـــــ دولتمندوں کو فکر سے چھٹکارا کہاں کبھی دولت کی فکر میں غرق ہیں، کس طرح دولت کو فروغ دیں کبھی نوکر کے بھاگ جانے کی فکر دامنگیر ہے اور کبھی دشمن کی فکر کھائے جاتی ہے۔ غرض دولت مند ہمیشہ فکروں کے جال میں پھنسے رہتے ہیں ـــــ جارج کو ان سب کے علاوہ بھی فکر کھائے جا رہی تھی، وہ فکر حسین پردٹیا کی تھی۔ جوں جوں وہ جوانی کے حدود میں داخل ہو رہی تھی اس اس دم جارج کی فکر میں اضافہ ہوتا جاتا ـــــ اس اکلوتی بیٹی کے لیے۔ دولت، کوٹھی، محلات، کاریں اور نوکر چاکر سب ہی کچھ تو تھے۔ پھر بھی فکر ـــــ؟ دولت، محلات۔ کاریں اور نوکر چاکر سے انسان کو اصل خوشی میسّر نہیں ہوتی ـــــ صحیح معنٰی میں خوشی تو اس وقت ہوتی ہے جب رفیق حیات، ہمسفر سکون بخش ہو ـــــ جارج کو ایک اچھے داماد اور بیٹی کی آئندہ زندگی کی فکر تھی ـــــ جارج اگر چاہتا تو شہزادے لا کھڑا کر سکتا تھا اور پھر پردٹیا کا حسن کم تیر بہدف نہ تھا اس کے ایک اشارے پر ہزاروں سرنگوں ہو جاتیں۔ جارج جانتا تھا کہ دولت سے خریدا ہوا داماد عموماً خراب نکل جاتا ہے اور آئندہ کی خوشیاں ماتم کدہ بن جاتی ہیں ـــــ دن رات ایک کرنے کے بعد اس کے دماغ میں ایک نادر تجویز نے جنم لیا ـــــ ایک قابل اور لائق داماد کو جیتنے کے لیے تین صندوق بنوائے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا اور تیسرا سیسے کا۔ ان میں سے ایک میں پردٹیا کی تصویر رکھ دی ـــــ جارج نے شہر میں اعلان کرا دیا، جو شخص ایسا صندوق پسند کرے گا جس میں پردٹیا کی تصویر ہے تو اس کے ساتھ پردٹیا کی شادی کر دی جائے گی ـــــ لیکن غلط پسند پر تمام عمر شادی سے محروم کر دیا جائے گا ـــــ جارج نے اس شرط کے دستاویز بادشاہ سے منظور کرا لیے۔

پردٹیا کے حسن کا چرچا دُور دُور تک پھیلا تھا۔ اعلان سنتے ہی لوگ بھیڑ بکری کی طرح آنا شروع ہوئے۔ یکے بعد دیگرے سب کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا ـــــ ایک شہزادہ "مڑوکو" سے آیا

اس نے سونے کا صندوق پسند کیا۔ کھولا تو اس میں سے ایک مردے کی تصویر نکلی۔ بے چارہ افسردہ خاطر گھر واپس ہوا۔ پھر ایک شہزادہ "اسپین" سے آیا۔ اس نے چاندی کا صندوق چنا، جب اسے کھولا تو اس میں سے ایک احمق کی تصویر نکلی۔ وہ غمگین ـــ گھر لوٹا۔

پینو اپنے دوست گرٹینو کے ساتھ آیا ـــ پرڈتیا نے ان کا دل شادی سے خیر مقدم کیا کیوں کہ وہ عاشقوں کی نسبت پینو کو زیادہ چاہتی تھی اور پرڈتیا کی سب سے بڑی خواہش پینو سے شادی کرنے کی تھی۔

پینو کے سامنے سونے چاندی اور سیسے کے صندوق رکھے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کس کا انتخاب کرے۔ ہزاروں ناکام لوگوں کی تصویر اس کے ذہن میں ابھری پھر اپنا انجام سامنے آیا اور خوف سے دل دھڑکنے لگا ـــ پینو نے سونے اور چاندی کے صندوق کو چھوا تک نہیں کیوں کہ بداخلاق اشخاص اس کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں سونا چاندی جس کے پاس ہو اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے ـــ رات کی نیند دن کا چین اسی کی بدولت جاتا رہتا ہے۔ اسی کی بدولت لوگوں میں تکبر و غرور کا مادّہ عود کر آتا ہے۔ اسی کی بدولت آپس میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں ـــ پھر وہ دنیا میں "بداخلاق، کنجوس ان ہی سب ناموں سے پکارا جاتا ہے ـــ اس لیے اس نے سیسے کا صندوق اٹھایا۔ جب اسے کھولا تو اس میں پرڈتیا کی مسکراتی ہوئی تصویر نکلی ـــ پینو تقریباً خوشی سے چیخ اٹھا۔ اب وہ پرڈتیا سے شادی کرے گا۔

مقررہ تاریخ کو ان کی شادی اس شان و شوکت سے ہوئی جس کی مثال اب بھی دیجاتی ہے

جمّی اور بانو کی جب آنکھ کھلی تو ان کے سامنے سے" اورین"، اس کا شکاری کتا سائیرس اور خرگوش سب غائب تھے وہ دونوں ایسی فضا میں تھے جہاں دن رات صبح و شام کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا لیکن پھر بھی وہ یہ جانتے تھے کہ اب ان کے اٹھنے کا وقت ہے لٰہذا اٹھ بیٹھے، کرنوں سے کچھ توانائی حاصل کی فضا سے تازگی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پھر اپنے گرد و پیش کی دنیا کو دیکھنے لگے۔

آپ نے ایک اور تاروں کے جھرمٹ میں لے جانے کو کہا تھا نا۔ جمّی نے پوچھا۔

نہیں تو ہم نے اس قسم کا کوئی وعدہ تو کیا ذکر بھی نہیں کیا۔ کرنیں بولیں اور دیکھنے کو تو ہزاروں جھرمٹ ستاروں کے ملیں گے وہ سامنے ہی ایک مشہور جھرمٹ نظر آ رہا ہے۔

کس طرف ؟ کرنوں نے اشارہ کیا اور اسی سمت میں جمّی اور بانو نے دیکھنا شروع کیا ہاں نظر آیا لیکن یہ کوئی خاص نہیں ہے۔

خاص سے تمھارا مطلب ؟ جمّی سے کرنوں نے پوچھا۔

یہی کہ یہ واضح اور صاف نہیں ہے ۔جمی نے کہا۔

یہ نہیں بلکہ اس لیے کہ تم اس جھرمٹ سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہو اب اس کے نزدیک میں لے جائیں گی اور ایک ایک ستارا دکھائیں گی تب تم کو پتہ چلے گا کہ خاص ہر یا عام ہے کرنوں نے کہا اور پھر اس کے متعلق ایک کہانی بھی سنائیں گی۔ بانو نے خوشی سے "تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

خیر یہ تو بات بعد کی ہے پہلے یہاں سے چلیں تو سہی وہاں تک پہنچنے میں بڑا عرصہ لگے گا۔ ہم اپنے نظامِ شمسی اور زمین سے کتنی دور ہیں ؟ جمّی نے پوچھا۔

کروڑوں میل دور لیکن اس جھرمٹ تک جس کا نام " پَکاسس" ہے پہنچنے کے لیے ہم اپنے نظامِ شمسی پر سے ضرور گزریں گے۔ کرنوں نے کہا۔

جمیّ اور بانو یوں خوش ہوگئے گویا وہ اپنے گھر پہنچ رہے ہیں۔کرنیں دیکھتے ہی دیکھتے ان کو لے اڑیں وہ اس قیامت خیز رفتار سے سفر کر رہے تھے کہ خدا کی پناہ! چلتے چلتے ان کی کرنوں کی گاڑی ایک جگہ رُک گئی۔

کیا ہم پہنچ گئے؟ جمیّ نے پوچھا۔نہیں تو بانو نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا اور جمیّ نے خوشی سے چیخ ماری۔

ارے یہ رہا ہمارا نظام شمسی۔کیا ہم زمین پر پانی پینے اتریں گے۔

نہیں بس نظام شمسی کو یہیں سے دیکھو اگر زمین پر اترے تو بس پھر واپس نہ آسکو گے کرنوں نے جواب دیا۔

لیکن یہ گاڑی۔یعنی ہم رک کیوں گئے؟ جمیّ نے پوچھا

اس لیے کہ ہمارے راستے میں ایک بہت بڑا دمدار ستارا آرہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے ٹکرا جائے ذرا غور سے دیکھنا۔جمیّ اور بانو نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔

تو کیا یہ ہماری کرنوں کی گاڑی سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے گا؟ بانو نے بھولے پن سے پوچھا اس پر کرنیں ہنس پڑیں۔وہ کیا ٹوٹ سکتا ہے البتہ ہمارا اس کائنات میں وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔کجا تم دونوں کا وزن اور کجا اتنا بڑا دمدار سیارہ۔

لیکن مجھے تو اس سیارے کی دم وُم تو نظر نہیں آتی۔جمیّ نے کہا۔

ہاں تم کو دم نظر نہیں آرہی ہوگی لیکن ابھی چند گھنٹوں بعد تم کو اس کی دم دکھائی دے گی۔ کرنوں نے کہا تو کیا ابھی اس کی دم بنی نہیں ہے۔جمیّ نے پوچھا۔

یوں ہی سمجھ لو! وہ دیکھو کس قدر تیزی سے یہ تمھارے نظام شمسی کی طرف بڑھ رہا ہے اس کائنات میں لاکھوں دمدار ستارے ہیں لیکن وہ اتنے دور ہیں کہ نظر نہیں آتے ان میں سے کئی سو تمھارے نظام شمسی کے قریب آتے ہیں اور ان میں سے چند ہی ایسے ہیں جو بغیر دوربین کے دکھائی دیں۔ ہر دمدار ستارا ایک سو سے لے کر ہزار برس کی مدّت میں اپنے مدار یا (ORBIT) کے گرد چکر پورا کرتا ہے اسی لیے تمھاری زمین پر دم دار ستارے بہت کم نظر آتے ہیں۔کرنوں نے کہا۔

اور ہوتے بھی بڑے منحوس ہیں دادی امّاں بتاتی ہیں کہ جب دم دار ستارا دکھائی دیتا ہے ملک کا بادشاہ مرجاتا ہے یا کوئی نہ کوئی تباہی دنیا پر ضرور آتی ہے۔ بانو نے کہا۔

خیر یہ تو سب تم لوگوں کے وہم ہیں ورنہ ستارے کیا کرتے ہیں؟ یہ دمدار ستارہ جو اس وقت ہمارے قریب سے گزر رہا ہے HALLEY'S COMET ہے یہ وہ دمدار ستارا ہے جس کو ہیلی

نے دریافت کیا تھا۔ بلکہ یوں کہو کہ اس نے سب سے پہلے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ چناں چہ تمھاری زمین پر یہ ستارا اُسی کے نام سے موسوم ہے۔

نام تو اس کا خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو دُم آخر کہاں جھڑ گئی ؟ بانو نے پھر پوچھا۔

دُم جھڑ جانے پر کرنوں اور جمّی کو ہنسی تو بہت آئی لیکن ہنس نہ سکے کیوں کہ دُم دار سیارہ اس قدر تیزی سے ان کی طرف آ رہا تھا کہ ان کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔

یہاں تک کہ وہ ان کے پاس سے گزرا اور ہمارے نظامِ شمسی کی طرف چلا گیا۔ وہ دیکھو یہ تو ہمارے نظامِ شمسی میں جا رہا ہے۔ جمّی نے کہا۔

ہاں ہاں وہ اب تمھارے نظامِ شمسی میں داخل ہو چکا ہے اب تمھاری دنیا کے لوگ اس کو دیکھیں گے۔ کرنوں نے کہا۔

لیکن دم کا راز میری سمجھ میں اب تک نہ آیا۔ بانو نے پھر کہا۔

دم دار ستارے کی دم اس وقت تک روشن نہیں ہوتی جب تک کہ وہ سورج کے بالمقابل نہ آجائے۔ ہم یہیں رک جاتے ہیں ابھی چند گھنٹوں بعد ہی وہ تمھارے نظامِ شمسی کے سورج کے قریب ہوگا اور تم اس کی دم دیکھ لوگے۔

دیکھتے دیکھتے ستارا نظامِ شمسی کے سورج کے قریب آیا اور اس کے ساتھ ہی دم نمودار ہوئی۔ جمّی کو یہی معلوم ہوا کہ جیسے اچانک فضا میں پھلجھڑی چھوٹ گئی اور بانو اس کی دم کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

تو یہ زمین کے گرد پہنچ کر ہی اپنی دم کیوں باہر نکال دیتا ہے، بانو نے پوچھا۔

تو یہ ہے بانو تم تو دم کے پیچھے ہی پڑ گئیں جمّی نے کہا۔

کرنوں کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ بولیں درصل اس ستارے کے گرد بہت سی جلد جلنے والی یا مشتعل ہونے والی گیسیں ہوتی ہیں جب یہ سورج کے قریب پہنچتا ہے تو یہ سورج کی تمازت یعنی گرمی سے سلگ اٹھتی ہیں چوں کہ یہ ستارہ بھی اور سیاروں اور ستاروں کی طرح گول ہے اس لیے اس کا ایک ہی رُخ سورج کے سامنے رہتا ہے جو رُخ سورج کے بالمقابل ہوتا ہے وہی جلتا ہے اور اسی طرف دم نظر آتی ہے چناں چہ جب بھی غور کرو دم دار ستارے کی دم سورج ہی کے رُخ ہوگی۔ پس یہی جلتی ہوئی گیسیں دم بن جاتی ہیں اور ہم اس کو دم دار ستارا کہتے ہیں۔

تو پھر ستارے کے دم کیوں نہیں ہوتی ؟ بانو نے کہا۔

اس لیے کہ اس کے ساتھ جلنے والی گیسیں نہیں ہوتی ہیں۔ دمدار ستارے کی یہی خصوصیت ہے کہ اس کے ساتھ جلنے والی گیسیں ہوتی ہیں اور وہی سورج کی روشنی میں جل اٹھتی ہیں۔ اردو میں

اس کو جھاڑو تارا بھی کہتے (COMET) کا لفظ بھی لاطینی زبان کا ہے (COMET) کے معنی "بالوں" کے ہیں اس کی روشنی کو بکھرے ہوئے بال سمجھ کر لاطینی زبان میں اس کو (COMET) کہا گیا۔ کرنوں نے پھر کہا
اب جمی اور بانو کی گاڑی دمدار ستارے کی زد سے باہر ہو چکی تھی دم دار ستارہ نظام شمسی
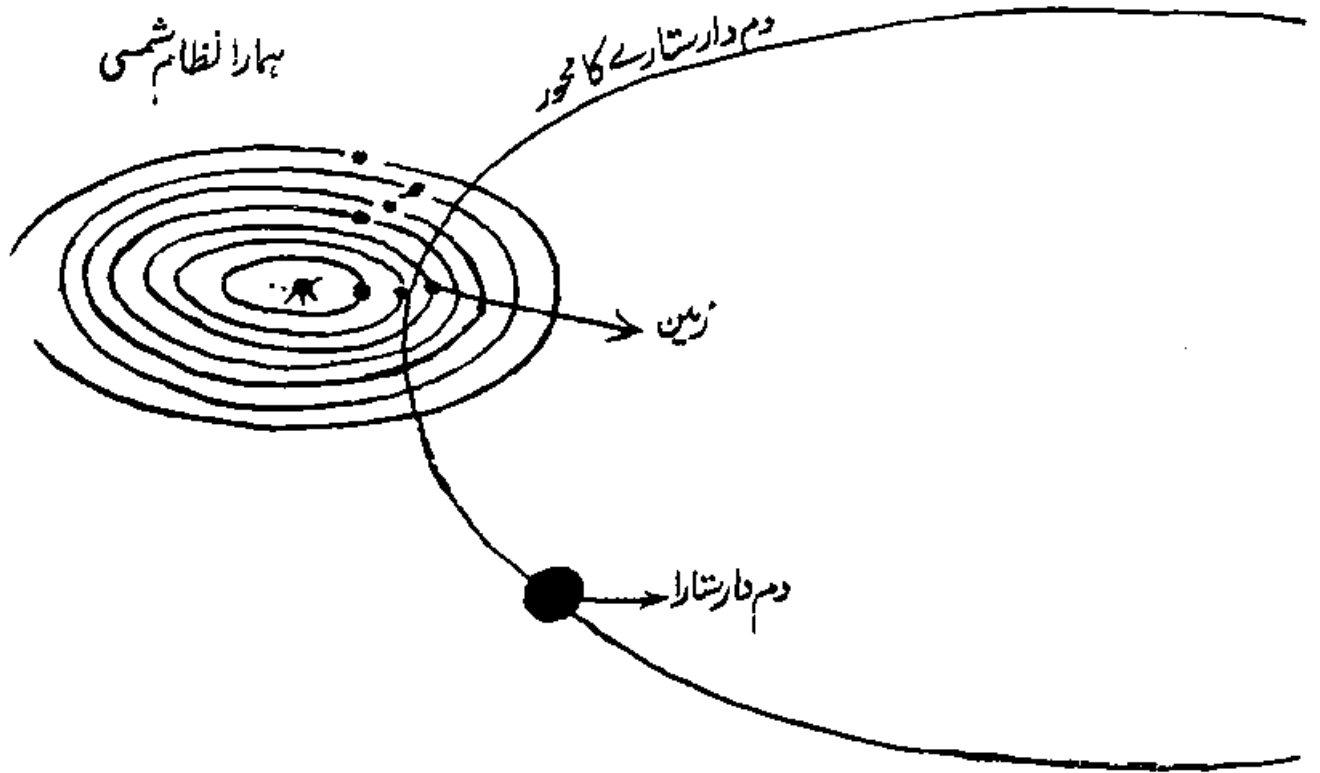
میں گردش کر رہا تھا جمی اپنی کاپی میں اس دم دار ستارے کی تصویر بنا رہا تھا اور بانو غور سے ستارے کی دم دیکھ رہی تھی۔

ارے یہ تو زمین کے بالکل قریب آگیا اب کیا ہوگا۔ بانو کا دل دھڑکنے لگا۔

کچھ بھی نہیں ہوگا کئی بار تمھاری زمین ستارے کی دم میں سے گزر چکی ہے، کرنوں نے کہا

جمی کو بھی حیرت ہوئی دم سے گزری ہے خدا خیر کرے وہ تو کہیے کہ یہ دم جلتی ہوئی گیس ہیں ورنہ ...... بانو یہیں تک کہنے پائی تھی کہ جمی نے جملہ پورا کیا۔ ورنہ تم اس کی دم پکڑ کر لٹک جاتیں۔ یہی نا! اس پر کرنیں اور جمی دونوں ہنس پڑیں۔

لیکن زمین پر کوئی نہ کوئی اثر تو ضرور پڑتا ہوگا۔ اگر اس کو دم دار ستارے کی دم سے گزرنا پڑے جمی نے سوال کیا۔

زمین کے گرد میلوں خود اپنی فضا اس طرح محیط ہے کہ اس کسی اور فضا کا جو اس سے لاکھوں میل دور ہے کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا۔ چنانچہ جب تک ماہرین فلکیات ہمیں

نہ بتائیں کہ زمین اس وقت دم دار ستارے کی دم سے گزر رہی ہے۔

جمی اور بانو کی گاڑی اب نظام شمسی سے کروڑوں میل دور پہنچ گئی تھی اور اب ان کو وہ ستاروں کا جھرمٹ واضح طور پر نظر آ رہا تھا جس کے لیے انھوں نے سفر طے کیا تھا۔

مغربی ممالک میں ستاروں کا یہ جھرمٹ جاڑوں کے بعد نظر آتا ہے۔ یہ جھرمٹ چھے بڑے اور چمک دار ستاروں سے مل کر بنا ہے جس میں سات چھوٹے چھوٹے ستارے بھی شامل ہیں یونانیوں نے اس جھرمٹ کو پگاسس (PEGASUS) کا نام دیا ہے۔
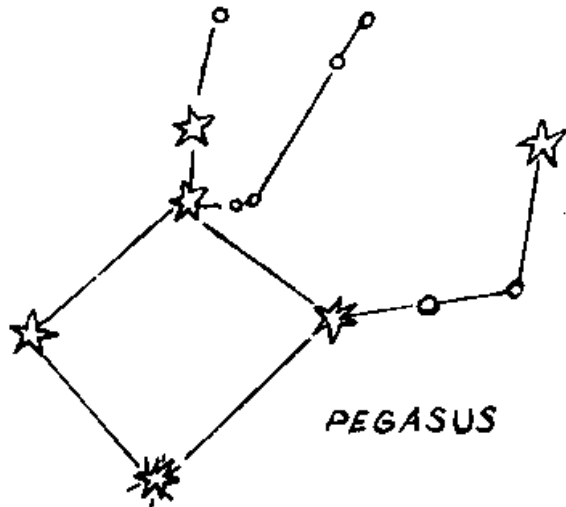
اور اس کے ساتھ کوئی کہانی نہیں ہے؟ بانو نے پوچھا ہے کیوں نہیں بس تم اس کو غور سے دیکھ لو۔ کوئی خاص بات اور نہیں ہے ہاں شاباش جمی تم اس کی تصویر اپنی کاپی پر بنا لو اور ان ستاروں کو سطور پر ملاؤ جیسے میں ملا رہی ہوں۔ ہاں، ہاں اس طرح ایک چوکور یا مربع بن جائے گا اور اس کے ساتھ نیچا پائے یا ٹانگیں۔ لیکن یہ پوری شکل یا نقشہ الٹا ہے اس کو اِدھر سے دیکھو۔ گھما کر۔ بس یہی پگاسس ہے جس کو یونانی ایک گھوڑا ایک سوار کہتے ہیں۔ غور کرنے پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک سوار گھوڑے پر بیٹھا ہوا سامنے سے چلا آ رہا ہے۔

بڑے ریچھ چھوٹے ریچھ اور ہنٹر کی طرح اس سوار کو بھی شاید آسمان پر اٹھا لیا ہوگا۔ بانو نے بے چینی سے کہا۔

ہاں ہاں کچھ یہی بات ہے لو بھائی میں خود کہانی سنائے دیتی ہوں تم بچوں کو کہانیوں کا بہت شوق ہے اور سورج دیوتا کا کہنا بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تمھارے ننھے دلوں کو خوش رکھا جائے۔ کرنوں نے چمک کر کہا۔

تو پھر ہم آرام سے لیٹ کر کہانی کیوں نہ سنیں۔ جمی نے کہا۔

ہاں ہاں تم لوگ لیٹ کر آرام کرو میں "پگاسس" کی کہانی سناتی ہوں ہمارا سفر ختم نہ ہوگا۔ تم سوتے رہو کیوں کہ ہم کو اس کے بعد ہی چاند کی وادی میں پہنچنا ہے۔

جمی اور بانو گاڑی کی سیٹ پر لیٹ گئے اور کرنوں نے لوریاں دینے کے انداز میں "پگاسس کی کہانی شروع کر دی۔

قدیم زمانے میں ایک راکھشش یا دیو خدا جانے کہاں سے آ گیا تھا! اس کے تین سر تھے

ان میں سے ایک سر شیر کا تھا دوسرا اژدھے کا اور تیسرا بکری کا۔ یہ دیو اس قدر ہیبت ناک تھا کہ لوگ اس کی شکل دیکھ کر ہی دم چھوڑ دیتے تھے جب یہ سانس لیتا تو اس کی ناک سے آگ کے شعلے اور دھواں نکلتا۔ اور اس سے ایسی آگ لگتی کہ لوگ جل کر مر جاتے بہت سے بہادر سورماؤں نے اس کو مارنے کی کوشش کی لیکن خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اسی زمانے میں ایک غریب چرواہے کا لڑکا "بلروفن" (Bellerophen) بھی تھا جو نہایت غریب اور بہادر تھا اس کے دل میں ہر گھڑی یہ خیال رہتا کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے اس راکھشش یا دیو کو مار دیتا تو ہزاروں انسانوں کی جانیں اس کے ظلم و ستم سے محفوظ رہتیں۔ "بلروفن" کے دل میں انسانیت کی خدمت اور بندوں کو نجات دینے کی سچی لگن تھی اس لیے خدا نے اس کی مدد کی چناں چہ ایک رات جب "بلروفن" اپنے گھاس پھونس کے بستر پر سویا تو دیکھا کہ ایک دیوی چلی آ رہی ہے آتے ہی اس نے "بلروفن" کے جذبات کی قدر کی اور اس کو ایک زین تحفہ کے طور پر دے کر کہا کہ یہ اڑنے والے گھوڑے "پگاسس" کی زین ہے۔ اس گھوڑے پر کوئی سواری نہیں کر سکتا۔ یہی زین ایسی ہے جو اس کی پیٹھ پر اگر اک دم رکھ دی جائے اور کوئی انسان بہادری کے ساتھ اس پر بیٹھ جائے تو "پگاسس" اس کے قابو میں آجائے گا اور اس کے بعد وہ شخص اس راکھشش یا دیو کو مار سکتا ہے۔ "پگاسس" روزانہ پانی پینے کے لیے جنگل کے چشمے پر آتا ہے۔

جب "بلروفن" کی آنکھ کھلی تو اس کے پاس زین رکھی ہوئی تھی جو جواہرات سے چمک رہی تھی۔ یہ دیکھ کر "بلروفن" کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ اس نے دیکھا ساری زین سونے کی بنی ہوئی ہے "بلروفن" نے خوشی خوشی زین اٹھائی اور دیوی کے بتائے ہوئے چشمے کی طرف چل پڑا اس کو چشمہ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ اٹھانا پڑی۔ اس نے بارہا "پگاسس" کو وہاں دیکھا لیکن ہر بار جوں ہی وہ اس سفید پر دار گھوڑے کے پاس جانے لگا اس کو ایک گرجدار آواز سنائی دی اور پگاسس ڈر کر اڑ کر گیا۔ بلروفن بہادر اور مستقل مزاج لڑکا تھا اس نے بالکل ہمت نہ ہاری اسی جنگل میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ "پگاسس" ایک مرتبہ صبح کو تڑکے پانی پینے پھر آیا۔ "بلروفن" تیر کی طرح جھپٹا اور جلدی سے زین اس کی پیٹھ پر ڈال دی۔ "پگاسس" نے بہت اچھل کود کی لیکن دوسرے ہی لمحے پھرتی کے ساتھ "بلروفن" اس پر سوار ہو گیا۔ "پگاسس" شروع شروع میں تو بدکتا ہی رہا اس نے بڑی اچھل کود کی لیکن "بلروفن" بڑی مستقل مزاجی سے اس کی پیٹھ پر جما رہا یہاں تک "پگاسس" اپنے نئے آقا سے مانوس ہو گیا۔

اس کے بعد ہی "پگاسس" کو لے کر بلروفن دیو کے غار کی طرف چلا وہ بڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا مگر دیو اپنے غار سے باہر نہ آیا یہاں تک کہ "بلروفن" تھک کر بیٹھ گیا ابھی اس کو نیند

کا جھونکا آیا ہی تھا کہ اس کی آنکھ ایک گرجدار آواز سے کھلی اس نے دیکھا کہ دیو تیزی کے ساتھ غار سے نکلا ہے اور انسانی شکار کی تلاش میں قریب کے گاؤں کی طرف چلا جا رہا ہے۔ "بلروفن" نے تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑے "پگاسس" کو دیو کی طرف اڑایا اور اپنی تیز تلوار سے اس کا ایک سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے بعد اڑ کر دور دیو کی گرفت سے باہر چلا گیا اتنی دور کہ دیو کی ناک سے نکلے ہوئے شعلے اس تک نہ پہنچیں۔ تھوڑی دیر بعد "بلروفن" نے دوسرا حملہ کیا اور دیو کا دوسرا سر کاٹ لیا اور تیزی کے ساتھ گھوڑے سے اڑ کر دور پہنچ گیا۔ دیو اب ان حملوں سے ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس میں مقابلے کی تاب نہ تھی لیکن وہ اپنے نتھنے اور منہ سے متواتر شعلے برسا رہا تھا۔ اسی طرح "بلروفن" نے اس کا تیسرا سر کاٹ لیا اور اس کے جسم کو تیروں سے چھلنی کر دیا۔

اس معرکے کو آسمان کا دیوتا جیوپٹر دیکھ رہا تھا اس نے سوچا کہ اس گھوڑے "پگاسس" کو آسمان پر اٹھا لیا جائے لیکن وہ "بلروفن" کو زمین ہی پر رہنے دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کی بہادری دنیا میں بہت سی جانیں بچا سکتی تھی۔ دوسری طرف "بلروفن" گھوڑے پر سے اترنے کے لیے تیار نہ تھا۔ لہٰذا جیوپٹر نے ایک زہریلی مکھی بھیجی جس نے بڑے زور سے "پگاسس" کو کاٹ کھایا پگاسس اس طرح بدکا کہ بلروفن کو اس پر سے اترنا پڑا۔ دیکھتے دیکھتے "پگاسس" آسمان کی طرف پرواز کر گیا اور ستاروں کا جھرمٹ بن گیا کیوں کہ دنیا میں اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔

جمی اور ربا نواب نیند کی آغوش میں تھے کرنوں نے ان کو تھپکنا شروع کیا گاڑی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی کیوں کہ "پگاسس" سے چاند کا سفر بہت طویل تھا۔
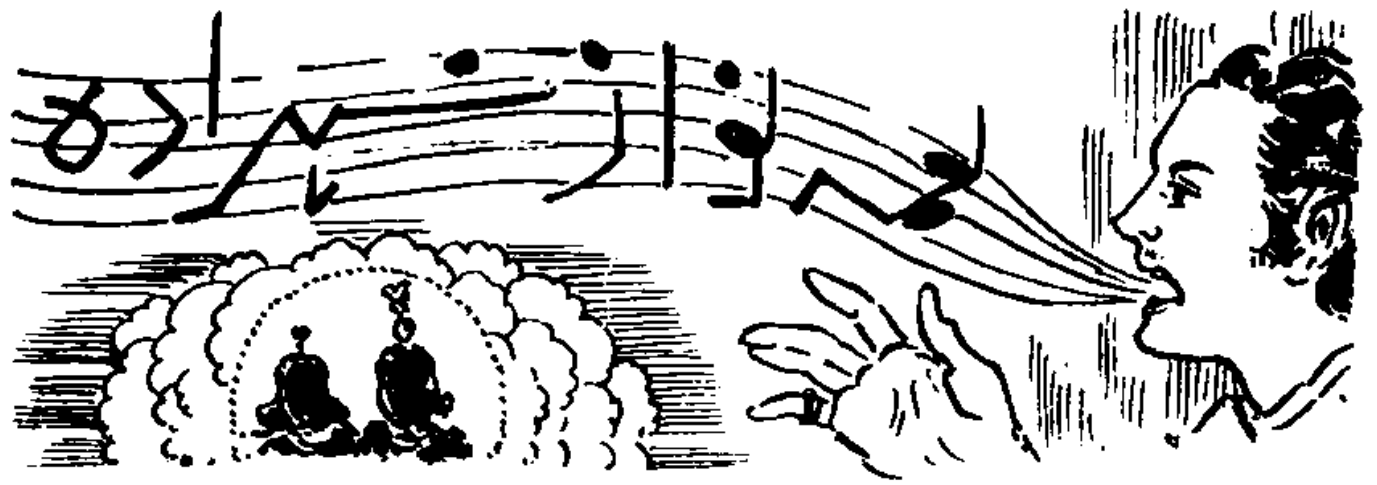
بہت دن کا ذکر ہے ایک بادشاہ تھا، وہ بڑا عقل مند اور رحم دل آدمی تھا، یوں تو اُسے ہر قسم کا آرام میسر تھا، اور دنیا جہان کی مسرّتیں حاصل تھیں مگر ایک غم ایسا تھا جس نے اس کے سارے عیش و آرام کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی،

آخر دس برس تک رات دن دعائیں مانگنے کے بعد خدا نے اس کی سُن لی اور ایک بڑا حسین لڑکا اس کے یہاں پیدا ہوا۔

شہزادے کی پیدائش پر بادشاہ اور اس کی ساری رعایا ہفتوں خوشی مناتی رہی مگر بادشاہ کا وزیر اس شہزادے کے پیدا ہونے سے بہت غمگین ہوگیا، اسے یہ امید تھی کہ بادشاہ ہمیشہ بے اولاد رہے گا اور بادشاہ کے بعد میرا لڑکا تخت نشین ہوگا۔

اپنی ساری امیدوں پر پانی پھرتے ہوئے دیکھ کر وزیر نے سوچنا شروع کیا کہ کس طرح اس تخت و تاج کے مالک کو دنیا سے رخصت کرے، آخر اُسے ایک تدبیر سوجھی، اس نے اندھیری رات میں دو بدمعاشوں کو بلایا اور ان سے کہا "تم دونوں شہزادے کو اٹھا کر جنگل میں لے جاؤ، اور اُسے مار ڈالو اور وہیں دفن کردو، اور پھر کبھی اس ملک میں واپس نہ آؤ"

اس کے بعد وزیر نے ان دونوں کو دو اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں دیں،

بدمعاش خاموشی سے شہزادے کے کمرے میں پہنچے اور جب شہزادہ سوگیا، اور انھیں موقع ملا تو اُس کو اٹھا کر جنگل میں لے گئے۔

جب بدمعاش جنگل میں پہنچے تو صبح ہوچکی تھی، جس کپڑے میں شہزادہ لپٹا ہوا تھا، اُسے کھولا اور شہزادے کا بھولا بھولا خوب صورت چہرہ دیکھا تو وہ محو ہوگئے، انھیں معصوم بچّے پر بڑا ترس آیا اور انھوں نے ارادہ کرلیا کہ اسے جان سے نہیں ماریں گے بلکہ اسے اپنا بچّہ بنا کر پالیں گے، انھوں نے جنگل ہی میں ایک جھونپڑی بنالی اور شہزادے کو محبّت سے پالنے لگے۔ شہزادے کو جنگل میں پلتے ہوئے برسوں گزر گئے، جنگل کے جانور اُس سے ہِل گئے

اور اُس کے دوست بن گئے، اُس کی آواز بڑی رسیلی اور مدھر تھی اور جب وہ گاتا تھا تو جنگل کے جانور تک مست اور محو ہو جاتے تھے۔

جب شہزادہ جوان ہوگیا تو اس کے نگہبانوں نے سوچا کہ اگر شہزادہ شہر میں جاکر رہے تو ساری سلطنت میں اس سے بہتر نغمہ نواز نہ نکلے گا اور اس کے ماں باپ اور سلطنت کے امیر غریب سب اس کے گیت سن کر حیرت میں رہ جائیں گے اور اس کی بڑی عزت ہوگی اور وہ بہت روپیہ پیدا کرے گا، اس کے علاوہ اُسے کوئی پہچان بھی نہ سکے گا، نہ اس کے ماں باپ اور نہ وزیر، یہ سوچ کر انھوں نے شہزادے کو شہر میں بھیج دیا، سارے شہر میں اس کے گانے کی دھوم مچ گئی، ہوتے ہوتے بادشاہ تک بھی خبر پہنچی کہ شہر میں ایک بہت اعلیٰ پایہ کا نغمہ نواز آیا ہوا ہے، بادشاہ نے اُسے محل میں طلب کیا، جب شہزادے نے وہاں گانا سنایا تو سب حیرت میں رہ گئے اور بہت محظوظ و مسرور ہوئے، لیکن شہزادے کے گانے کا سب سے زیادہ اثر وزیر کی لڑکی پر ہوا، اس لڑکی کو خود گانے کا بہت شوق تھا اور اُس کا شمار سلطنت کے بہترین مغنیوں میں تھا،

وہ سوچنے لگی، مجھے اپنے گانے پر بڑا ناز تھا مگر کس غضب کا گلا پایا ہے اس نغمہ نواز نے اس کی آواز میں جادو ہے، وزیر زادی شہزادے سے محبّت کرنے لگی۔

شہزادے کو بار بار محل میں بلایا گیا، بادشاہ اور ملکہ نے اُسے بہت سے قیمتی تحفے دیے اور کہا "بیٹا تمھاری آواز میں خدا نے امرت حل کر دیا ہے، تم اب محل ہی میں رہا کرو، ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے، آج سے تم ہمارے بیٹے ہو۔

جب شہزادے نے بادشاہ اور ملکہ کا بیٹا بن کر محل میں رہنا منظور کرلیا تو وزیر پر بجلی سی ٹوٹ پڑی، اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، اب اس کے بیٹے کی تخت نشینی کا کوئی سوال باقی نہیں رہا، اب وہ اس نغمہ نواز کا جانی دشمن ہوگیا، مگر کرے تو کیا کرے، وہ بادشاہ کے سامنے دل کھول کر اس کی تعریف کرچکا تھا۔ اب بُرائی کس منہ سے کرے۔

ایک دن وزیر زادی نے اپنے باپ سے کہا "ابّا! اس نغمہ نواز کو کل شام اپنے یہاں بلوالیے اس کا گانا سننے کو میرا بہت دل چاہتا ہے۔"

وزیر نے سوچا یہ تو بڑی اچھی صورت پیدا ہوگئی، اب میرا کام بنْ جائے گا، اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔" ہاں بیٹی، تم ٹھیک کہتی ہو، میں ضرور اُسے کل بلاؤں گا، اس کا گانا سننے کو میرا بھی جی چاہتا ہے۔

جب شہزادہ آیا اور اس نے گانا سنانا شروع کیا تو وزیر چپکے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں

چلا گیا اور اس نے ایک بوتل سے ایک گلاس میں شربت انڈیلا اور جیب سے ایک سفوف کی پڑیا نکال کر اس گلاس میں ڈال دی، یہ سفوف بہت تیز قسم کا زہر تھا، جس کا ایک گھونٹ بھی حلق سے اتر جائے تو انسان کو ہلاک کر دے۔

اس کے بعد وزیر نے اسی کمرے میں اپنی بیٹی کو بلایا اور اس سے کہا۔" بیٹی نغمہ نواز بے چارا بڑی دیر سے گا رہا ہے وہ تھک گیا ہوگا، لو یہ شربت لے جاؤ اور اُسے پلا دو، میں نے خود اپنے ہاتھ سے اس کے لئے یہ شربت بنایا ہے۔"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب وزیر زادی شربت کا گلاس لے کر نغمہ نواز کے پاس جا رہی تھی تو گلاس اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، وہ ڈری کہ کہیں اس کا باپ ناراض نہ ہو، چناں چہ اس نے چپکے سے اپنی ایک سہیلی کو اندر بھیج کر شربت کا دوسرا گلاس منگا لیا اور شہزادے کو شربت پلا دیا۔ جب وزیر کو معلوم ہوا کہ نغمہ نواز نے شربت پی لیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور سوچنے لگا کہ چلو بہت آسانی سے اس کا پاپ کٹ گیا۔

اگلے دن صبح کو وزیر محل میں گیا اور یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ نغمہ نواز ابھی تک زندہ ہے، عین اسی وقت بادشاہ نے فرمان جاری کیا میں نے نغمہ نواز کو گود لیا ہے اور اُسے اپنا ولی عہد قرار دیا ہے اور اگلے مہینے سے میرے بجائے وہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوگا اور میں بادشاہت کے فرائض سے دستبردار ہو کر خدا کی یاد میں زندگی کے باقی دن گزاروں گا۔

وزیر کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، مدتوں سے جو خواب وہ دیکھ رہا تھا اس کی تعبیر بڑی مایوس کن نکلی، ایک دن وہ دونوں آدمی جنھوں نے شہزادے کو جنگل میں پالا تھا سوچنے لگے کہ آؤ چلو ہم بھی شہر چل کر شہزادے سے ملیں، ہمیں وہاں سے آئے ہوئے اب بیس برس ہو گئے ہیں،

وہاں ہمیں کون پہچانے گا، خدا جانے شہزادے کا اب کیا حال ہے، اب تو وہ ضرور ایک مغنی ہوگا، یہ سوچ کر وہ شہر میں آئے اور شہزادے سے ملے، شہزادہ انھیں بادشاہ کے پاس لے گیا اور کہا ــ "عالی جاہ! یہ دونوں میرے دوست ہیں، انھوں نے مجھے پرورش کیا ہے" ـــ ان دونوں آدمیوں نے ادب سے جھک کر کہا "حضور! جس نوجوان کو آپ نے گود لیا ہے وہ خود آپ کا فرزند ہے" ـــ بادشاہ نے حیرت سے انھیں دیکھ کر کہا" یہ تم کیا کہہ رہے ہو، میرے صرف ایک لڑکا تھا، جب وہ صرف دو مہینے کا تھا تو اُسے ڈاکو ایک اندھیری رات میں محل سے اٹھا کر لے گئے، یہ سن کر وہ دونوں آدمی بادشاہ کے قدموں میں گر پڑے اور اُسے ساری داستان سنادی، ـــ بادشاہ بولا۔" اچھا تو یہ ساری کارروائی میرے دغاباز وزیر کی تھی" اس کے بعد بادشاہ نے فوراً وزیر کو طلب کیا اور اسے دس سال کے لیے جیل خانے بھیج دیا۔ بادشاہ اور ملکہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ شہزادے نے تخت نشین ہو کر وزیر زادی سے شادی کر لی اور جب تک زندہ رہا عقلمندی اور ہمدردی سے حکومت کرتا رہا۔
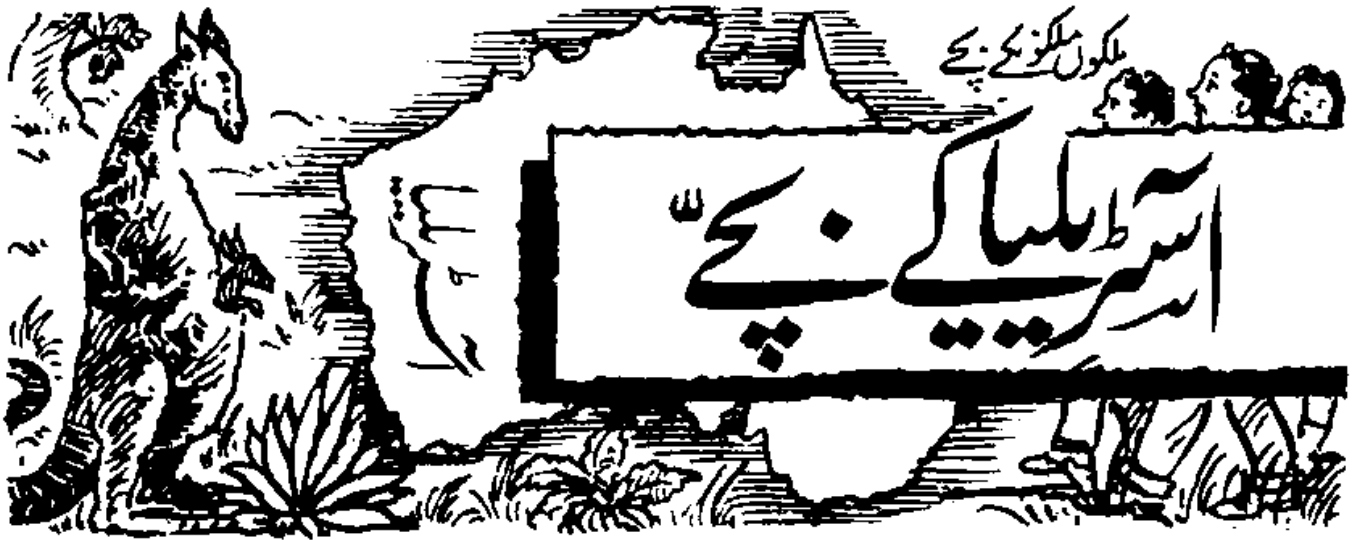
اگر تم کرۂ زمین کا نقشہ دیکھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ زمین کا زیادہ حصّہ دنیا کے اوپر کے حصّے میں ہے لیکن نیچے کے حصّے میں تمھیں ایک ملک نظر آئے گا جسے آسٹریلیا کہتے ہیں پہلے یہ ملک انگلستان کی ایک نوآبادی تھا اور انگلستان کے بڑے بڑے مجرموں کو جلاوطن کرکے وہاں بھیجا جاتا تھا، مگر اب وہ ملک آزاد اور خود مختار ہے۔

آسٹریلیا کے کچھ حصّے سورج کی تپش کی وجہ سے بالکل خشک ہیں، دوسرے کچھ حصّے ایسے ہیں جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے، کسان زمین کو برما کر زمین سے پانی نکالتے ہیں اس طرح انھیں اپنے جانوروں کے گلّے کے لیے کافی پانی مل جاتا ہے۔

آسٹریلیا کے ان میدانوں میں جو ہری ہری گھاس سے بھرے رہتے ہیں، بھیڑوں کے گلّے پالے جاتے ہیں، ان بھیڑوں سے اون حاصل کیا جاتا ہے اون حاصل کرنے میں بچّے بڑی مدد کرتے ہیں، وہ ہنستے کھیلتے بھیڑوں کے بدن سے ڈھیروں اون اتار لیتے ہیں اس اون سے وہاں کپڑے بنائے جاتے ہیں، اون دوسرے ملکوں کو برآمد بھی کیا جاتا ہے۔ بکری کا گوشت بھی خشک اور برف سے منجمد کرکے دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے۔

آسٹریلیا میں بہت سے ایسے جانور اور چڑیاں ہیں جو دوسرے ملکوں میں بہت کم نظر آتے ہیں، ان میں ایک جانور کنگرو ہے جو اپنی پچھلی ٹانگوں پر اچھل اچھل کر چلتا ہے اور چھلانگیں مارتا ہے۔ اس کے پیٹ پر ایک تھیلی ہوتی ہے، اس تھیلی میں وہ اپنے بچّوں کو لیے لیے پھرتا ہے، وہاں ایک بڑا پرند چھ فٹ یا اس سے بھی زیادہ اونچا ہوتا ہے مگر وہ اڑ نہیں سکتا۔

اب تو آسٹریلیا کے جنگلوں کی بہت سی زمین صاف کردی گئی ہے اور پھلوں کے باغ لگا دیے گئے ہیں اور اناج پیدا کرنے کے لیے کھیت بنا دیے گئے ہیں۔

اب آسٹریلیا کے بچّوں کی ایک سچی کہانی سنو جس سے تمھیں ان کی ہمت اور ایک دوسرے سے محبت کا حال معلوم ہوگا۔

آسٹریلیا کے جنگل میں ایک جھونپڑی تھی، اس جھونپڑی میں ایک آدمی رہتا تھا جس کا نام "ڈف" تھا، ہر روز ڈف کے تین بچّے جلانے کے لیے لکڑیاں چننے جاتے تھے۔ ایک روز شام وہ واپس نہیں آئے، وہ جھونپڑی سے بہت دور نکل گئے تھے، ببول کے درخت ہر طرف ایک ہی سے تھے، ان کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے بچّے اپنے گھر کا راستہ نہ پہچان سکے، دور دور تک کہیں پانی کا پتہ نہ تھا چشمے خشک پڑے تھے۔ جب وہ شام تک واپس نہیں آئے تو ڈف انھیں ڈھونڈنے نکلا — اس نے زور زور سے بچّوں کو آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہ ملا۔

ڈف ساری رات بچّوں کو ڈھونڈتا رہا مگر کہیں پتہ نہ لگا، ایک دن گزرا دو دن گزرے اسی طرح پورا ہفتہ گزر گیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر ڈف نے وہاں کے اصلی سیاہ فام باشندوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا، وہ لوگ قدم کے نشانوں سے کھوج لگانے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی پتوں پر پاؤں رکھ کر گزرا ہے تو ان کی مدد سے بھی پتہ لگا لیتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد ان میں سے ایک آدمی ایک جگہ رک گیا اور گھاس پر پاؤں کا نشان دیکھ کر بولا، "یہاں ایک بچّہ تھک کر رکا تھا اور بڑے بچّے نے اس کو گود میں اٹھا لیا تھا"۔

اب وہ لوگ آگے بڑھے اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک جھاڑی کے نیچے تینوں بچّے مل گئے، بے چارے بالکل آدھ مرے ہو گئے تھے فریبک کی حالت جو صرف پانچ برس کا تھا سب سے بہتر تھی، اس کی ہمّت والی بہن نے اُسے اپنا کوٹ اتار کر پہنا دیا تھا، اسی لیے وہ سردی سے محفوظ رہا اور ویلی اُسے اپنی کمر پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا تھا، پانی کا کہیں پتہ نہ تھا، کہیں کہیں ایک درخت کے صراحی دار پتوں میں گھونٹ دو گھونٹ پانی انھیں مل جاتا تھا وہ بھی سب فریبنک پی جاتا تھا، ڈف اور اس کے سیاہ فام مددگار بچّوں کو جھونپڑی میں لائے اور کہیں تین چار ہفتے میں ان کی حالت ٹھیک ہوئی، ان بچّوں نے بڑی ہمّت سے کام لیا اور آپس میں بڑی محبت سے رہے اسی لیے ان کی جان بچ گئی۔

نمک کی کہانی

نمک انسانی زندگی کا ایک لازمی جز ہے۔ پرانی کہانیوں میں نمک کو جو اہمیت حاصل رہی ہے وہ شاید ہی کسی اور انسانی ضرورت کی چیز کو نصیب ہوئی ہو۔ ہند و پاک میں آج بھی اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان رہے اور کسی وجہ سے بعد میں اس کا مخالف ہو جائے تو اس کی اس حرکت کو بہت بڑی برائی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے نمک کا بھی پاس نہیں کیا۔ ملازم اگر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل مستعدی سے کرے اور آقا کی بے جا سختی کا کوئی اثر قبول نہ کرے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ محنت سے کام انجام دے تو ایسے ملازم کو نمک حلال تصور کیا جاتا ہے۔

یوں تو نمک سمندر کے پانی سے بھی تیار کیا جاتا ہے لیکن وہ کان کے نمک کا مقابلہ کسی بھی طرح نہیں کرسکتا۔ پاکستان میں کھیوڑہ کی کانوں میں سے جو نمک نکالا جاتا ہے وہ قبل تقسیم ہر جگہ دستیاب ہو سکتا تھا مگر اب اس کا ملنا دشوار ہوگیا ہے۔ غذا میں نمک کی کمی کی وجہ سے بیماریاں پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے۔ مرد عام طور پر غذا میں نمک کا استعمال زیادہ کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں عورتیں اسے بہت کم استعمال کرتی ہیں۔

نمک کو ہر زمانہ میں اہمیت حاصل رہی ہے اس کی وجہ سے دنیا میں اکثر و بیشتر جھگڑے بھی ہوتے رہے ہیں۔ پرانے زمانے میں نمک کا سب سے زیادہ استعمال چین والے کرتے تھے۔ چین میں سمندر کا پانی سکھا کر نمک تیار کیا جاتا تھا اور اس طرح سے وہ دوسرے ملکوں سے بڑے پیمانے پر نمک کی تجارت کرتے تھے۔ چین کے بعد یونان والوں نے نمک کی تیاری اور تجارت کی طرف کافی توجہ دی اور اسی زمانے میں نمک نے اتنی زیادہ اہمیت حاصل کرلی کہ یونان والے نمک فروخت کرکے غلام مول لینے لگے۔ اہل یونان کو اگر ایک تن درست و خوب صورت غلام خریدنا ہوتا تو وہ اس کے برابر نمک تول کر مالک کو دے دیتے اور غلام حاصل کرلیا کرتے اور اس کے بعد تو نمک نے اتنی زیادہ اہمیت حاصل کرلی کہ یونان میں ملازموں کو تنخواہیں بھی نمک کی صورت میں ادا کی جانے لگیں اور کافی عرصے تک زر مبادلہ کی حیثیت حاصل رہی۔ جب اہل روما نے یورپ پر فتح حاصل کی تو پولینڈ اور جرمنی میں نمک کی تلاش

بڑی سرگرمی سے کی گئی۔ آخر کار انھیں کامیابی حاصل ہوئی اور نمک کے پہاڑ دریافت ہوئے جن کی کھدائی کے بعد نمک دستیاب ہونے لگا۔ تحقیق کرنے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ نمک کی صنعت دو ہزار برس سے قائم ہے۔ دنیا کے اکثر ملکوں میں مہمانوں کی آؤ بھگت کے جو طریقے رائج تھے ان میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ معزز مہمانوں کے لیے خاص طور پر نمک کے چبوترے بنوائے جاتے جس پر انھیں بڑی شان سے بٹھایا جاتا۔ میزبان کے لیے ضروری تھا کہ وہ مہمان کی عزت افزائی کے لیے یہ انتظام کرے" مہمان کے لیے بھی یہ بات باعث فخر تھی۔ جس مہمان کو یہ سعادت نصیب ہوتی اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ ایک دفعہ فرانس میں نمک کی سخت قلت پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے حکومت کو نمک پر راشن کرنا پڑا۔ حکومت کی مقرر کردہ مقدار کے علاوہ کوئی شخص اپنے پاس نمک نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر کسی کے پاس مقررہ مقدار سے زیادہ نمک پایا جاتا تو اسے قانون کے مطابق سخت سزا دی جاتی۔ سنہ ۱۷۸۹ء تک فرانس کے ہر شخص کو نمک کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا اور اگر لوگ سمندر سے نمک بنانے کی کوشش کرتے تو انھیں سخت ترین سزا کا مستحق سمجھا جاتا۔ حکومت ایسے شخص پر کڑی نگرانی کرتی تھی۔

نپولین کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ دنیا کو فتح کرلے لیکن اس کے فاتح عالم بننے کا خواب نمک ہی کی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔ ایک ایسے وقت جبکہ کامیابی قدم چوم رہی تھی نپولین کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور اسے روس کی فتح کا خیال صرف اس وجہ سے ترک کرنا پڑا کہ اس کی فوج کے لیے نمک کی فراہمی کا معقول ذریعہ نہ تھا اور فوج کو دی جانے والی غذا میں نمک کی کمی کرنی پڑی تاکہ نمک کم خرچ ہو اور زیادہ دنوں کام دے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غذا میں نمک کی کمی سے اس کی فوج میں مختلف قسم کی وبائیں پھوٹ پڑیں، فوج میں مایوسی پیدا ہونے لگی اور نپولین کو دنیا کے فتح کرنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ نمک کو روز بروز پہلے سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہو رہی ہے اور یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ اگر نمک کو انسانی زندگی سے الگ کر دیا جائے تو انسان اپنی زندگی برقرار رکھ سکے گا۔

(انور مہدی)

بقیہ صٓ

تو یہ گت بنائے ہوئے آیا، دیگچی کسی طرح نہیں نکلتی۔

منشی جی: تم اطمینان رکھو، میں ابھی نکلے دیتا ہوں۔

سلیمن کی ماں: بھیّا یہ خیال رکھنا کہ دیگچی ٹوٹنے نہ پائے۔

منشی جی: (ہنستے ہوئے) لے یہ لو اپنی دیگچی، ٹوٹی تو نہیں۔

سلیمن: (حیرت سے دیکھتے ہوئے) اے توبہ، یہ ٹھا تھوڑا ہی ہے، نہ جانے موا کس کا ہے، اور امّاں دیگچی بھی تو ہماری نہیں ہے خاک پڑے کیا عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔

ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ بڑا دل چسپ مشغلہ ہے، اس مشغلے سے اچھی خاصی تفریح بھی ہو جاتی ہے اور فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، اسی کے ساتھ جب تمھارے پاس سیکڑوں ہزاروں ٹکٹ جمع ہو جائیں گے تو یہ مجموعہ ایک دلکش صنعت کارانہ چیز ہوگی، اس لیے کہ بہت سے ملک بڑے خوب صورت ڈاک کے ٹکٹ بناتے ہیں جن پر رنگ برنگ کے نقش و نگار ہوتے ہیں۔

ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نہایت دل چسپ طریقہ سے غیر شعوری طور پر جغرافیہ کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، مختلف ملکوں کے نام معلوم ہو جاتے ہیں۔ پھر ان ملکوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے لڑکے دنیا کے نقشوں میں ان ملکوں کو تلاش کرتے ہیں جن کے ٹکٹ ان کے پاس ہیں۔

دوسرا فائدہ ڈاک کے ٹکٹوں سے یہ ہوتا ہے کہ مختلف ملکوں کے تھوڑے بہت تاریخی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ آج کل سب ملکوں میں یہ رواج ترقی پذیر ہے کہ ڈاک کے ٹکٹوں پر اپنے اپنے ملک کے مشہور لوگوں کی تصویریں چھاپتے ہیں ان میں موجودہ زمانے کے اور پچھلے زمانے کے شاعر، سائنس داں، مدبر، مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کی تصویریں ہوتی ہیں اور جس ملک کا ٹکٹ ہے اس ملک کی مشہور عمارتوں اور بعض تاریخی منظروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ڈاک کے ٹکٹ سے بعض اوقات ہمیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس ملک کا ٹکٹ ہے اس ملک کی شکل کیسی ہے، اس لیے کہ بعض ملک ڈاک کے ٹکٹوں پر اپنے ملک کا خاکا بنا دیتے ہیں یا اپنے یہاں کے شہروں یا پہاڑوں یا اور دوسرے منظروں کے خاکے بناتے ہیں،

زیادہ آسانی اس میں رہتی ہے کہ ٹکٹ جمع کرنے کے مقصد سے پہلے دنیا کو مختلف بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کر لو، جیسے یورپ امریکہ ایشیا، پھر ان حصوں کے ملکوں کے ٹکٹ علیحدہ کر لو،

بعض لوگ جو روپے صرف کر کے ٹکٹ خریدتے ہیں، وہ کوئی خاص سنہ مقرر کر لیتے ہیں کہ اس سنہ کے بعد کے ٹکٹ جمع نہیں کریں گے۔

ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ ایک ایسا مشغلہ ہے جس میں ایک پیسہ بھی صرف نہیں ہوتا، گو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہزاروں روپے میں بھی ایک ٹکٹ نہ ملے، ایک پیسے والا ڈاک کا ٹکٹ ممکن ہے ایک ہزار روپے میں بھی نہ ملے، قیمت کے اس اضافہ کا سبب بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں، فرض کرد ایک خاص سلسلہ کے ٹکٹوں میں وہ پہلا ٹکٹ ہے، یا فرض کرد بہت پرانا ٹکٹ ہے یا ہو سکتا ہے کہ وہ الٹا چھپ گیا ہو یا فرض کرد کہ ٹکٹوں کے پورے تختے پر ہر ٹکٹ کے علیحدہ کرنے کے لیے باریک سوراخوں کی جو قطاریں ہوتی ہیں وہ بننے سے رہ گئی ہوں، یہ اور اسی قسم کی باتیں ڈاک کے ٹکٹوں کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔

لیکن اگر تم ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنا چاہو تو تمھیں اس قسم کے غیر معمولی ٹکٹ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور تلاش بھی تو بے کار ہے اس لیے کہ غیر معمولی ٹکٹ ڈھونڈنے سے نہیں ملا کرتے، اتفاق ہی سے ہاتھ آجاتے ہیں، تم تو جو ٹکٹ تمھیں دستیاب ہو اُسے حفاظت سے رکھ لو خطوں پر پارسلوں پر اخباروں پر جو ٹکٹ لگے ہوتے ہیں وہ سب اس مقصد کے لیے تمھارے کام کے ہیں، پھر اگر تمھارا کوئی عزیز کسی سرکاری دفتر میں یا کسی بڑے کارخانے میں ملازم ہے اس سے کہو کہ جو غیر ملکی ٹکٹ دفتر کے لیے بے کار ہیں وہ ہمیں لاکر دے دیجیے۔

اور اب تو قلمی دوستی کا بڑا رواج ہو گیا ہے، اخباروں میں اکثر غیر ملکوں کے ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کے پتے شائع ہوا کرتے ہیں جو دوسرے ملکوں کے لڑکوں اور لڑکیوں سے خط و کتابت کے ذریعہ دوستی پیدا کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے خط و کتابت کرو، جب وہ جواب دیں گے تو اوّل تو خود ان کے خط پر ان کے ملکوں کا ٹکٹ لگا ہوا آئے گا۔ دوسرے تم ان کو اپنے ملک کے چند ٹکٹ بھیج کر ان کے بدلے میں اُن کے ملک کے ٹکٹ منگا سکتے ہو۔

مگر جو کام کرو طریقہ سے کرو، ڈاک کے ٹکٹوں کا انبار جمع کر لینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان کو محفوظ رکھنے کے لیے صحیح ترتیب بالکل ضروری ہے، اس کے لیے ایک البم خرید لو بازار میں ڈاک کے ٹکٹوں کے لیے خاص طور پر بنی ہوئی البمیں ملتی ہیں اور وہ زیادہ مہنگی بھی نہیں ہوتیں، ان میں مختلف ملکوں کے ٹکٹوں کے لیے علیحدہ علیحدہ صفحے ہوتے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ تم البم ہی خریدو سادہ کاغذ کی ایک کاپی اس مقصد کے لیے بنا لو وہی تمھاری البم ہوگی، ہر صفحہ پر ایک حاشیہ کھینچ لو ــــ پھر ٹکٹوں کی اونچائی کے برابر صفحے پر لکیریں کھینچ لو، ٹکٹوں کے اوپر دو سطریں

خالی چھوڑدو، ان سطروں پر اس ملک کا نام جس کا وہ ٹکٹ ہے اور ٹکٹ کا سنہ وغیرہ لکھتے رہو۔

البم میں ٹکٹوں کی ترتیب کے طریقے بھی مختلف ہیں بعض لوگ حروف تہجی کے اعتبار سے البم میں ٹکٹ لگاتے ہیں، یہ طریقہ بھی ٹھیک ہے لیکن زیادہ بہتر طریقہ جیسا کہ میں نے اوپر کی سطروں میں تمھیں بتایا ہے یہ ہے کہ دنیا کو بڑے بڑے حصّوں میں تقسیم کرلو جیسے یورپ، امریکہ ایشیا، وغیرہ ہر حصّے کے لئے اپنی البم میں چند صفحے مخصوص کردو، پھر اس حصّہ میں جتنے ملک ہیں ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دے کر اُن کے ٹکٹ البم میں لگالو،

ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ پورے ٹکٹ کی پشت پر گوند لگاکر البم کے صفحہ پر ہرگز نہ چپکاؤ، اس سے ٹکٹ خراب ہوجائے گا اور صفحہ پر سے اس کا علیحدہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوجائے گا، بازار میں اس مقصد کے لئے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے قلابے فروخت ہوتے ہیں ان قلابوں میں گوند لگا ہوتا، ایک حصّہ قلابے کا صفحہ پر چپکا دیتے ہیں اور دوسرے حصّے پر ٹکٹ چپکا دیتے ہیں، یا تم خود کاغذ کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لو، ہر ٹکڑے کو دوہرا کرلو اور ایک حصّے پر گوند لگاکر البم کے صفحے پر چپکالو، اور دوسرے حصّے پر گوند لگاکر ٹکٹ چپکا دو، اس طرح جیسے اس تصویر میں ہے۔
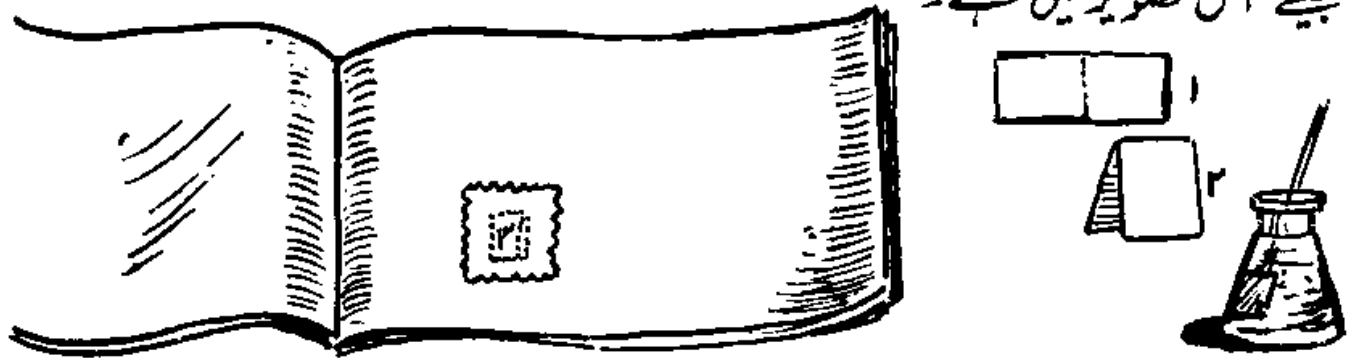
اس طرح ٹکٹ خراب نہیں ہوں گے، ہر ٹکٹ مضبوطی سے البم میں لگا بھی رہے گا اور آسانی سے علیحدہ بھی ہوسکے گا۔

ڈاک کے ٹکٹوں کو البم میں لگاتے وقت یا البم سے علیحدہ کرتے وقت اس امر کا بہت خیال رکھو کہ ٹکٹ یا باریک سوراخوں کے نشانوں کی قطار خراب نہ ہونے پائے، ٹکٹ جوں کا توں محفوظ رہے، اگر ٹکٹ کے کسی حصّے میں کوئی خرابی آگئی تو چاہے وہ کیسا ہی نادر اور کمیاب ٹکٹ ہو اس کی کوئی قیمت نہ رہے گی۔

شمّو کا مرغا

فضل مبین

شمّو نے اک مرغا پالا!
رنگ تھا اس کا سرخ اور کالا
کیسی ہیں چمکیلی آنکھیں
ہلدی جیسی لمبی ٹانگیں
کان سفید اور داڑھی لمبی
سینہ چوڑا دم بے ڈھنگی
کیسا ہے سر پر تاج شاھی
ایسی شان ہے کس نے پائی

لاکھوں مرغ لڑنے آئے
دیکھتے ہی اس کو گھبرائے
ایسا بہادر ایسا لڑاکو
بلاّ جس کو سمجھے ڈاکو
بانگ سے اپنے سب کو جگائے
رب کا یہ پیغام سنائے
اٹھ رے نمازی، حکم خدا ہے
پھر بھی تو مدہوش پڑا ہے

خوب ہنسیے

(۱)

ڈاکٹر: (بچے سے) بتاؤ بیٹا، تمھارے پیٹ میں درد کس وقت ہوتا ہے؟
بچہ: جناب جب میں اسکول جاتا ہوں۔

(۲)

ایک افیونی: (دوسرے سے) بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟
دوسرا افیونی: ریل گاڑی
پہلا افیونی: معلوم ہوتا ہے تم نے دیکھ لیا ہے۔

(۳)

استاد: (چیخ کر) دیکھو جو لڑکا شور مچائیگا اسے باہر نکالدیا جائیگا
ایک شاگرد: (کھڑے ہوکر) جناب تو پھر میں اس کام کے لیے حاضر ہوں۔

(۴)

فقیر: خدا کے لیے کچھ روٹی دے دو
سیٹھ: کھاؤگے خود اور مانگتے ہو خدا کے لیے

(۵)

استاد: (شاگرد سے) بتاؤ تیل کہاں سے آتا ہے!
شاگرد: جناب: دینو کی دوکان سے

(۶)

استاد: دنیا میں سب سے زیادہ سردی کہاں پڑتی ہے؟
اسلم: برف خانے میں۔

(سید اکبر حسین زیدی سکھر)

ٹے لی وی ژن

بے تار خبر رسانی (وائرلیس) کے حیرت انگیز کمالات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اب انسانوں کا جانوروں کا، بے جان اشیا کا اور تصویروں کا عکس ہزاروں میل ہونے کے باوجود ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے اور ایک سفید پردے پر اس طرح دکھایا جا سکتا ہے جیسے سینما کے پردے پر تصویریں نظر آتی ہیں۔ اس کا نام "ٹیلی ویژن" ہے اُس تصویر کے ساتھ ہی ساتھ اُس شخص کی آواز بھی منتقل ہوتی ہے۔ صورت اور آواز ساتھ ساتھ منتقل ہونے کا نام سائنس دانوں نے "فونو ویژن" رکھا ہے

میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں نے اس عجیب وغریب چیز کے موجد جان ایل برڈ کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں سہ پہر کے وقت میں نے ایک گڑیا جو کہ دوسرے کمرے میں رکھی تھی۔ اُس کا عکس ٹے لی وی ژن کے پردے پر دیکھا۔ میں اتنا خوش ہوا کہ فوراً کمرے سے باہر نکلا اور اپنے ملازم لڑکے کو پکڑ کر ایک کمرے میں کھڑا کر دیا اور پھر جا کر جو دیکھا تو ٹی لی وی ژن کے پردے پر اس کی تصویر دیکھی جو صاف نظر آرہی تھی۔ اب تصویر تو نظر آجاتی تھی لیکن لوگ آواز سننے سے مجبور تھے۔ آخر کار بہت کوشش کے بعد جولائی سنہ ۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ تھیٹر کے اسٹیج پر دوسرے ممالک کے ناچ گانے کا پورا پروگرام ٹے لی وی ژن اور فونو وی ژن کے بعد لندن میں دکھایا گیا۔ اور لوگوں نے مجھ کو مبارک باد دی۔

ایس جمیل الظفر۔ کراچی

سچائی کا پھل

ایک غریب آدمی تھا اس کی سمجھ میں اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کوئی ترکیب نہ آتی تھی ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اب تو بھوک کے مارے بچوں کا بُرا حال ہے کوئی تو ترکیب کرو کہ ان کو روٹی ملے۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا مجھے کہیں سے ایک کلہاڑا لا دو پھر کام بنے گا۔ اس کی بیوی نے پڑوسی سے کلہاڑا لا کر اس کو دے دیا۔ خدا کا نام لے کر وہ گھر سے چل پڑا چلتے چلتے وہ ایک دریا کے کنارے

پہنچ گیا۔ ایک درخت کو کاٹنے لگا۔ اس نے اس درخت کو جلد ہی کاٹ کر گرا دیا۔ اس کے بعد جب دوسرا درخت گرانے لگا تو اس کا کلہاڑا دریا میں گر پڑا بے چارا سخت پریشان تھا کہ اتنے میں فرشتہ نمودار ہوا اس نے لکڑہارے کو روتا پیٹتا دیکھا تو کہنے لگا کیا بات ہے۔ لکڑہارا بولا جناب میرا کلہاڑا دریا میں گر گیا ہے فرشتے نے کہا گھبراؤ نہیں میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔ فرشتے نے دیکھا کہ دریا میں تین کلہاڑے ہیں ایک سونے کا دوسرا چاندی کا اور تیسرا لوہے کا۔ فرشتے نے سب سے پہلے چاندی کا کلہاڑا نکالا اور کہنے لگا۔ کیا یہ ہے کلہاڑا تمھارا۔ وہ آدمی بولا نہیں جناب فرشتے نے پھر سونے کا کلہاڑا نکالا اور کہنے لگا۔ اچھا یہ معلوم ہوتا ہے تمھارا کلہاڑا۔ وہ آدمی کہنے لگا یہ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد جب لوہے کا کلہاڑا نکلا اس کو دیکھ کر وہ آدمی خوش ہو کر کہنے لگا جناب یہی ہے میرا کلہاڑا۔ فرشتے نے کہا تمھیں تمھاری سچائی کے انعام میں تینوں کلہاڑے دیے جاتے ہیں۔ لکڑہارا بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا گھر واپس آ گیا۔ اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔

مظفر حسین شاہد

پانچ روپے

صبح ساڑھے نو بجے میں اپنے گھر سے اظہر اور سلیم کے گھر روانہ ہوا۔ جب ان لوگوں کے یہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ کوئی پروگرام بنا رہے تھے۔ کیوں سلیم کیا پروگرام بنایا جا رہا ہے؟ میں نے جاتے ہی سوال کیا۔ کل امتحان ختم ہونے والا ہے۔ کل شام بیداری دیکھنے کا پروگرام بنا رہا ہوں۔ سنا ہے یہ فلم طالب علموں کے لئے بہت نصیحت آموز ہے سلیم نے جواب دیا۔ سنا تو میں نے بھی ہے۔ مگر آج کل تو میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا جب تم نہیں جاؤ گے تو پھر ہم لوگ کیسے جائیں گے سلیم نے جواب دیا۔ پھر مجبوری ہے۔ میں نے کہا کل یہ پروگرام ضرور ہوگا۔ اگر تم ایک بات پر عمل کرو میں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے جواب دیا۔ تم تو روزانہ دکان پر بیٹھتے ہو۔ کل اگر کچھ پیسے وہاں سے چپکے سے نکال لو تو کسی کو کیا خبر ہوگی۔ میں نے کہا نہیں بھئی چوری کرنا میری عادتوں میں سے نہیں ہے۔ یہ بہت بُری عادت ہے۔ اس سے انسان دوسرے کی نظر میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ تب تو پھر کل ہم لوگوں کا پروگرام ملتوی۔ اظہر نے کہا جو اتنی دیر سے خاموش تھا۔ پھر ہم لوگ اسکول امتحان دینے چلے گئے۔ امتحان کسی خاص پرچے کا نہ تھا۔ اس لیے پرچہ بہت اچھا ہوا۔ شام کو گھر واپس لوٹا۔

راستے میں ستار ملا۔ یہ بھی ایک دوست ہے جو برابر مجھ سے کتابیں لے کر پڑھا کرتا ہے کیوں بھئی آج کل کوئی کتاب پڑھنے کو نہیں دے رہے ہو۔ کیا کتاب پڑھنے کو نہیں لاتے ہو ستار نے پوچھا۔ نہیں بھئی آج کل میرے پاس پیسے نہیں ہیں جو کتابیں خرید کر لاؤں۔ تو پھر ایک ترکیب ایسی ہے جس سے تمھیں پیسے مل سکتے

ہیں، وہ کیا؟ میں نے اس سے پوچھا اس نے بھی وہی بتایا جو کہ صبح سلیم نے بتایا تھا۔ اس بات کو سن کر مجھے بہت غصّہ آیا اور میں نے کہا۔ میں چور نہیں ہوں جو پیسے چوری کروں۔ پھر میں ان سے بغیر کچھ کہے گھر چلا آیا۔

ناشتہ کرکے جب دکان میں بیٹھا تو میں نے گزشتہ باتوں پر غور کیا۔ شیطان نے مجھے بہکایا۔ میں نے سوچا کہ کل کا موقع یوں ہی ضائع ہو جائے گا۔ سب تو یہی کہتے ہیں۔ آج کل کوئی دنیا میں ایماندار نہیں اگر میں کچھ پیسے نکال لوں تو کیا حرج ہوتا ہے کوئی دیکھنے تھوڑی آتا ہے۔ پھر فلم کوئی خراب بھی تو نہیں۔ اس سے تو ہمیں بہت کچھ فائدہ حاصل ہوگا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ مگر ضمیر نے ملامت کی۔ کیوں چور بنتا ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہوگیا تو تیری تمام بڑائی اور عزت خاک میں مل جائے گی۔ لوگ تجھے چور کہیں گے۔ تو سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ میں نے ہاتھ روک لیا۔ مگر شیطان نے پھر بہکایا اور آخر کار وہ ضمیر پر غالب آگیا۔ اور میں نے کچھ پیسے نکال کر کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھ لیے

دوسرے روز شام کو میں دوستوں کے گھر پہنچا بھئی تم تو بڑے خوش قسمت ہو۔ کل بھائی جان نے مجھے پانچ روپے بطور انعام کے دیے ہیں۔ سلیم نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ کس خوشی میں بھئی۔ میں نے جواب دیا۔ چوں کہ پرچہ اچھا کیا ہے اس لیے کل میں نے بھائی جان سے پیشگی انعام لے لیا ہے۔ سلیم نے کہا تب تو پھر چل رہے ہو نا بیداری دیکھنے۔ میں نے کہا

ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اب ہم تینوں دیکھیں گے۔ سلیم نے جواب دیا۔ میں نے اس واقعہ کے متعلق انھیں کچھ نہ بتایا۔ پھر ہم لوگ ٹکٹ لے کر فلم دیکھنے چلے گئے۔ فلم بہت اچھی تھی۔ خاص کر اساتذہ اور طلبا کے لیے بہت ضروری فلم تھی۔ رات کو میں فلم دیکھ کر گھر لوٹا۔

جب گھر پہنچا تو خیال آیا کہ یہ روپیہ اب واپس کر دینا چاہیئے اور والد صاحب کے سامنے چوری سے توبہ کر لینا چاہیئے اس مقصد کے تحت ابا جان کے کمرے میں گیا۔ ابا جان کمرے میں اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔ آداب عرض ہے ابا جان۔ میں نے جاتے ہی سلام کیا۔ ابا جان نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ آؤ بیٹا بیٹھو۔ کیا بات ہے میں نے کہا ابا جان آج مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اسی کی تلافی کرنے آیا ہوں میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی آپ وعدہ کیجئے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ ابا جان نے کہا میں نے معاف کیا۔ کہو کیا بات ہے۔ تب میں نے تمام واقعہ بیان کیا۔ ابا جان بہت خوش ہوئے اور کہا آج میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم خود ہی سنبھل گئے۔ میں تم کو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ آج تمھاری عزت میری نظروں میں اور بڑھ گئی وہ روپے جو تم نے نکالے تھے میری طرف سے بطور انعام قبول کر لو۔ میں بہت خوش ہوں۔ دوسری صبح ہم لوگ ایک ہوٹل میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے سلیم کہہ رہا تھا ہاں بھئی میں نے مان لیا کہ چوری کرنا بہت بری بات ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ؎

چوری کرنا کام برا ہے
چوری کا انجام برا ہے

محمد سمیع - ڈھاکہ

گھر بیٹھے تفریح کرو

بچو! آؤ ہم تمہیں رات کی روشنی تمہارے ہی ہاتھوں سے کئی جانوروں کی تصویریں بنانا سکھائیں جب تم معمولی سی کوشش کے بعد انکے بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم تصویریں دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ نیچے دی ہوئی شکلوں کے مطابق اپنے ہاتھوں کو بناؤ اور دیوار پر اپنے ہاتھوں کا عکس دیکھو

(اقبال حیدر۔ کراچی)

تکلیف دہ خارش
خارش کی وبا دن بدن عام ہوتی جاتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے۔ کہ لوگ عموماً بیرونی دوائیں لگانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہمدرد مرہم بلاشبہ فوری تسکین کے لئے نظیر ہے۔ لیکن جب تک صافی کے ذریعہ خون سے گندہ مادہ خارج نہیں کیا جاتا۔ مکمل شفا ممکن نہیں۔
صافی
نہ صرف خون کو صاف کرتی ہے خارش کو مٹاتی ہے پھوڑے پھنسیوں کو دور کرتی ہے بلکہ چہرے کے داغ دھبے دور کر کے رخساروں میں سرخ خون اور جسم میں تروتازگی کی لہر دوڑاتی ہے
ہمدرد دواخانہ، کراچی
SAFI
A Hamdard PRODUCT

TITLE PRINTED AT THE NOVELTY ART PRESS AMIL ROAD, KARACHI-1